انٹرمیڈیٹ۔ٹی اوایس ایس

Intermediate - TOSS

ضیائے ادب

اردو کی درسی کتاب

URDU TEXT BOOK

مشیر اعلیٰ

شریمتی واکٹی کرونا، آئی۔اے۔ایس

چیف سیکریٹری، محکمہ تعلیمات، تلنگانہ

مجلسِ ادارت

پروفیسر سید فضل اللہ مکرم، صدر، شعبۂ اُردو سنٹرل یونیورسٹی آف حیدرآباد

محمد افتخار الدین احمد شاد، کوآرڈینیٹر، اردو، ایس سی ای آر ٹی، تلنگانہ، حیدرآباد

کوآرڈینیٹرس

شری مارامانی سومی ریڈی

جوائنٹ ڈائرکٹر

اوپن اسکول سوسائٹی، تلنگانہ، حیدرآباد

شری بوئین پلی وینکیشوراراؤ

اسٹیٹ کوارڈینیٹر

اوپن اسکول سوسائٹی، تلنگانہ، حیدرآباد

کمیٹی برائے فروغ و اشاعت درسی کتاب

شریمتی دیواسینا آئی۔اے۔ایس

ڈائرکٹر

محکمہ اسکولی تعلیم، تلنگانہ، حیدرآباد

شری پی۔وی سری ہری

ڈائرکٹر

اوپن اسکول سوسائٹی، تلنگانہ، حیدرآباد

شری سرینواساچاری

ڈائرکٹر

گورنمنٹ ٹکسٹ بک پریس، تلنگانہ، حیدرآباد

ناشر

اوپن اسکول سوسائٹی

تلنگانہ، حیدرآباد

© Government of Telangana, Hyderabad.

New Edition

First Published - 2022

All rights reserved.

No part of this publication may be reproduced, stored in a retrieval system, or transmitted, in any form or by any means without the prior permission in writing of the publisher, nor be otherwise circulated in any form of binding or cover other than that in which it is published and without a similar condition including this condition being imposed on the subsequent purchaser.

The copy right holder of this book is the Director of School Education, Hyderabad, Telangana.

This Book has been printed on 70 G.S.M. Maplitho,
Title Page 200 G.S.M. White Art Card

Printed in India

at

for the Director Telangana Govt. Text Book Press,

Mint Compound, Hyderabad,

Telangana

پیش لفظ

علم انسان کو پستی سے بلندی کی جانب لے جاتا ہے۔ ادنیٰ سے اعلیٰ بنا دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تعلیم کی اہمیت اس دور میں پہلے سے زیادہ بڑھ گئی ہے اور ہمارے پاس اس میدان میں آگے بڑھنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔ لیکن سچائی یہ بھی ہے کہ ہندوستان کی آبادی کو صرف رسمی نظام تعلیم کے ذریعہ تعلیم یافتہ نہیں کیا جا سکتا۔ اسی لئے گذشتہ کئی دہائیوں سے فاصلاتی نظام تعلیم کا سہارا لیا جا رہا ہے۔ اسی کو پیش نظر رکھتے ہوئے اوپن اسکول کا قیام عمل میں لایا گیا جو ''سب پڑھیں۔ سب بڑھیں'' کے مقصد کو حاصل کرنے اور تعلیم سے دور لوگوں کو تعلیم سے آشنا کرنے کا کام کرتا ہے۔

2022 سے تلنگانہ اوپن اسکول سوسائٹی کے ذریعہ انٹرمیڈیٹ کی تعلیم حاصل کرنے والوں کے لئے نئی درسی کتب کی فراہمی کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ بدلتے سماجی حالات، ضروریات، قومی تعلیمی پالیسی کے بنیادی اصولوں اور ہدایتوں کے مطابق متعلمین کو معیاری تعلیم فراہم کرنے کی غرض سے اردو کی نئی درسی کتاب کی تشکیل کی جا رہی ہے۔

''زبان'' نہ صرف اظہار مافی الضمیر کا وسیلہ ہے بلکہ یہ غور و فکر کا ایسا آلہ ہے جو خیالات کو باقاعدہ بنا کر اظہار کے قابل بناتی ہے۔ لہٰذا طلبا کو چاہئے کہ وہ زبان میں قابلیت پیدا کریں اور اپنے روزمرہ کے معاملات میں اس کا استعمال مہارت کے ساتھ کریں۔ ان ہی باتوں کے پیش نظر NCERT نے لسانی اکتساب کے تحت آموزشی ماحاصل کا تعین کیا ہے۔ زبان کی درسی کتب ان کے حصول میں مددگار ہونی چاہئے۔ ان تمام باتوں کو مدنظر رکھ کر انٹرمیڈیٹ TOSS کی اردو کی درسی کتاب کی تشکیل کی گئی ہے۔

یہ درسی کتاب چار بلاک پر مشتمل ہے۔ حصہ نظم، حصہ نثر، قواعد اور سرسری مطالعہ۔ جس میں حمد، غزل، مثنوی، رباعیات، گیت، افسانہ، خاکہ، مضمون وغیرہ پر مشتمل اسباق کو شامل کیا گیا ہے۔ اردو زبان کے فہم کو فروغ دینے کی خاطر قواعد کو ایک علاحدہ یونٹ کے طور پر شامل کیا گیا ہے۔ یہ تمام اسباق حب الوطنی، فنون لطیفہ، سماجی اقدار، اخلاقی اقدار، سائنس اور ٹکنالوجی جیسے موضوعات پر مشتمل ہیں۔ ان تمام اسباق میں لسانی استعداد سے متعلق آموزشی ماحاصل کے حصول میں معاون مشغلوں کو شامل کیا گیا ہے۔ یہ درسی کتاب اس طرح تشکیل دی گئی ہے کہ طلبا پر بوجھ کم ہو، دلچسپی کی حامل ہو اور از خود اکتساب میں معاون ہو۔ اس درسی کتاب کی تشکیل میں شریک اسسٹنٹ پروفیسرس، لکچررس، اساتذہ اور مدیر ڈاکٹر فضل اللہ مکرم پروفیسر صدر شعبہ اردو حیدرآباد سنٹرل یونیورسٹی کے شکرگزار ہیں۔ درسی کتاب کی تشکیل میں ماہر مضمون کے طور پر ذمہ داری نبھانے والے جناب محمد افتخار الدین کو آرڈینیٹر اردو SCERT کے ممنون ہیں۔ درسی

کتاب کی تشکیل کے لئے ماہر مضمون کی خدمات سے استفادہ کرنے کی اجازت دے کر دست معاونت دراز کرنے والی محترمہ ایم رادھا ریڈی صاحبہ، ڈائرکٹر SCERT کے مشکور ہیں۔ ہم شریمتی دیوا سینا آئی اے ایس ڈائرکٹر آف اسکول ایجوکیشن تلنگانہ اور شریمتی واکاٹی کرونا آئی اے ایس سکریٹری محکمہ تعلیمات حکومت تلنگانہ کے بہت زیادہ شکر گزار ہیں جنہوں نے کتاب کی تدوین کے لئے بہترین مشوروں سے نوازا۔ درسی کتاب کی تشکیل کے لئے مصنفین، مجلس ادارت اور کوآرڈینیٹرس سے گفت وشنید کرتے ہوئے ہم آہنگی پیدا کرنے والے جناب ماراسانی سومی ریڈی جوائنٹ ڈائرکٹر اور جناب بوئنا پلی وینکٹیشو رراؤ ریاستی کوآرڈینیٹر کے تعاون کے بھی خصوصی طور پر ممنون ہیں۔ امید کرتے ہیں کہ یہ کتاب طلبا کی ضرورتوں کی تکمیل کرتے ہوئے لسانی مہارتوں کو فروغ دینے میں معاون ثابت ہوگی۔

تاریخ:

ڈائرکٹر

مقام: حیدرآباد

ڈائرکٹر اوپن اسکول سوسائٹی تلنگانہ، حیدرآباد۔

اسمائے مرتبین

محمد افتخار الدین احمد شآد

کوآرڈینٹر اردو، ایس سی ای آر ٹی، تلنگانہ، حیدرآباد

ڈاکٹر ناظم علی

سابق پرنسپل گورنمنٹ ڈگری کالج، موڑتاڑ، نظام آباد

ڈاکٹر گل رعنا

اسوسی ایٹ پروفیسر اردو، تلنگانہ یونیورسٹی، نظام آباد

ڈاکٹر حمیرہ سعید

انچارج، پرنسپل گورنمنٹ ڈگری کالج، سنگاریڈی

فریحہ تکلم

جونیر لیکچرار، تلنگانہ اقامتی اسکول/کالج، آصف نگر، حیدرآباد

محمد عبدالحمید خان

معلم اردو گورنمنٹ ہائی اسکول ہمایوں نگر، حیدرآباد

محمد تاج الدین

اسکول اسسٹنٹ گورنمنٹ ہائی اسکول ہمایوں نگر، حیدرآباد

فضل احمد

اسکول اسسٹنٹ گورنمنٹ ہائی اسکول، معظم شاہی حیدرآباد

سیدہ شہلا

اسکول اسسٹنٹ گورنمنٹ ہائی اسکول ہمایوں نگر، حیدرآباد

ثریہ سلطانہ

اسکول اسسٹنٹ گورنمنٹ گرلز ہائی اسکول فرسٹ لانسرز، حیدرآباد

تکنیکی معاونت

وینکٹ سوامی وَری کپّلا

زیڈ پی ایچ ایس، دھرماراؤ پیٹ، کامارڈی

ڈی۔ٹی۔پی و لے آوٹ ڈیزائننگ

شیخ حاجی حسین

امپرنٹ کمپیوٹیک، بالانگر، میڈچل، حیدرآباد

درسی کتاب کے ذریعہ حصول طلب استعدادیں، آموزشی ماحاصل

I. سمجھنا۔اظہارخیال کرنا

- طبع شدہ اور ہاتھ کی تحریر کو روانی سے پڑھنے اور سمجھنے کے قابل ہونا۔
- دیکھا متن، نظم، مکالمے، ورقیے وغیرہ روانی سے پڑھنے اور سمجھنے کے قابل ہونا۔
- ان دیکھا متن، نظمیں، گیت وغیرہ پڑھنے اور سمجھنے کے قابل ہونا۔
- ان دیکھا متن، نظمیں، گیت وغیرہ پڑھنے اور سمجھنے کے قابل ہونا اور ان سے متعلق سوالوں کے جواب دینے کے قابل ہونا۔
- بے ترتیب مصرعوں کو ترتیب میں لکھنے کے قابل ہونا۔
- پڑھے ہوئے مواد کے تحت غلطیوں کی نشاندہی، خالی جگہوں کو خان پری کرنے کے قابل ہونا۔
- اخبارات، رسائل اور ذرائع ابلاغ کے نکات کو سمجھ کر ردعمل ظاہر کرنے کے قابل ہونا۔
- کتابی مطالعہ کو ایک عادت میں بدلتے ہوئے ادب، شعرا و ادیبوں کی توصیف بیان کرنے کے قابل ہونا۔

II. زبان شناسی

- معانی، مترادفات، متضاد الفاظ، ذو معنی الفاظ لکھنے کے قابل ہونا۔
- لغت کا استعمال کر کے معانی سمجھنے کے قابل ہونا۔
- مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے اصطلاحات کو سمجھ کر لکھنے کے قابل ہونا۔
- دئے گئے الفاظ کو جملوں میں استعمال کرنے، محاوروں کو سمجھ کر موقع و محل کی مناسبت سے استعمال کرنے کے قابل ہونا۔
- حروف تہجی، الفاظ، جملوں، اجزائے کلام کو سمجھنے کے قابل ہونا۔
- فعل فاعل مفعول کو سمجھنے کے قابل ہونا۔
- صنعتوں کو سمجھنے کے قابل ہونا۔
- مرکب الفاظ، سابقہ لاحقہ کو سمجھے اور ان کو استعمال کرنے کے قابل ہونا۔

III. اظہار مافی الضمیر۔تخلیقی اظہار

- دئے گئے سوالوں کے تجزیاتی انداز میں جواب لکھنے کے قابل ہونا۔
- معلوم، دیکھے، سنے اور پڑھے ہوئے واقعات کے بارے میں اپنے الفاظ میں لکھنے کے قابل ہونا۔
- رموز و اوقاف کا استعمال کرتے ہوئے غلطیوں کے بغیر تسلسل میں لکھنے کے قابل ہونا۔
- تائید یا مخالفت میں وضاحت کرتے ہوئے لکھنے کے قابل ہونا۔
- نظموں کے خلاصے، اشعار کی تشریح کو اپنے الفاظ میں لکھنے کے قابل ہونا۔
- کرداروں کی نوعیت، خلاصوں اور کہانیوں کو اپنے الفاظ میں لکھنے کے قابل ہونا۔
- خطوط، کہانیاں، آپ بیتی، مضامین، مکالمے، روزنامچہ وغیرہ لکھنے کے قابل ہونا۔
- نظموں کو طول دینے کے قابل ہونا۔

فہرست مضامین

انٹرمیڈیٹ ۔ٹی او ایس ایس

سلسلہ نشان	سبق کا نام	صنف	موضوع	مصنف/شاعر کا نام	صفحہ نمبر
بلاک 1	حصہ نظم				1
1	حمد	حمد	حمد وثنا	الطاف حسین حالؔی	1-6
2	خاک ہند	نظم	حب الوطنی	پنڈت برج نارائن چکبست	7-16
3	غزل	غزل	جمالیاتی ذوق	جگر مرادآبادی	17-24
4	رباعیات	رباعی	فلسفیانہ اقدار	دبیرؔ، امجدؔ اور اکبرالہ آبادی	25-32
5	خانہ باغ کا منظر	مثنوی	منظر نگاری	میر حسنؔ	33-40
6	بنجارہ نامہ	گیت	دنیا کی بے ثباتی	نظیر اکبرآبادی	41-48
بلاک II	حصہ نثر				
1	حج اکبر	مختصر افسان	اخلاقی اقدار	منشی پریم چند	49-62
2	کندن	خاکہ	سماجی اقدار	رشید احمد صدیقی	63-74
3	دیا سلائی	انشائیہ	قومی یکجہتی	خواجہ حسن نظامی	75-82
4	بلٹ ٹرین میں کبھی نہ بیٹھو	سفرنامہ	فنون لطیفہ	مجتبیٰ حسین	83-90
5	مصنوعی ذہانت	مکالمہ	سائنس وٹکنالوجی	انٹرنیٹ	91-98
6	غالبؔ کے خطوط	مکتوب نگاری	استحسان ادب	مرزا غالب	99-104

فہرست مضامین

انٹرمیڈیٹ ۔ٹی او ایس ایس

سلسلہ نشان	سبق کا نام	صفحہ نمبر
بلاک III	قواعد	
1	علم ہجا	105-107
2	علم صرف	108-126
3	علم نحو	127-143
4	علم بیان	144-145
5	علم بدیع	146-151
6	علم الاعداد	152-153
7	رموز واوقاف	154
8	محاورے	155-156
9	کہاوت رضرب المثل	157-18
بلاک IV	سرسری مطالعہ	
1	مشک محل	160-162
2	مکہ مسجد	163-165
3	کھویا ہوا چاند	166-169
4	انار کے چودہ دانے	170-172
5	غیبی امداد	173-177
6	مٹی کا کلھیا	178-181

1. حمد

الطاف حسین حالؔی

مقصد

اللہ تعالیٰ کامل، مالک، جلیل، جمیل اور محیط ہے جو شخص ایک بار اللہ کا جلوہ دیکھ لے پھر وہ اسی کا ہو کر رہ جاتا ہے۔ بشریت کی بنا پر اگر انسان اللہ کے تمام حقوق ادا نہ کر پائے تب بھی اپنے خدا کی محبت اس کے دل میں سمائی ہی رہتی ہے اور وہ اللہ کی حمد و ثنا کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اللہ کی حمد و ثنا کرنا اس کی عظمت و قدرت کے اقرار کا سلیقہ سکھانا اس حمد کی تدریس کا اہم مقصد ہے۔

صنف کی تعریف و ماخذ

یہ سبق نظم کی صنف ''حمد'' سے متعلق ہے۔ عربی لفظ ''حمد'' کے معنی تعریف کے ہیں۔ وہ اشعار یا نظم جس میں خدا کی حمد و ثنا اور اس کی عطا کردہ نعمتوں کا شکر ادا کیا جائے، حمد کہلاتی ہے۔ اس سبق میں دی گئی حمد ''کلیات حالؔی'' سے ماخوذ ہے۔

شاعر کا تعارف

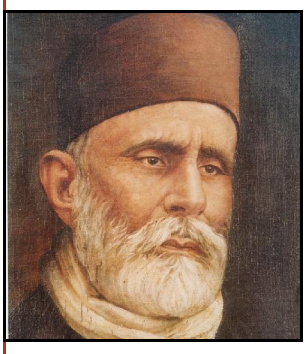

خواجہ الطاف حسین نام اور حالؔی تخلص تھا۔ 1837 کو پانی پت میں پیدا ہوئے۔ بڑے بھائی اور بہن نے پرورش و تربیت کی۔ قرآن حفظ کر کے عربی و فارسی کی تعلیم شروع کی۔ شاعری سے بھی لگاؤ تھا۔ حصول علم کا شوق انہیں دہلی لے گیا۔ 1869 میں شیفتہؔ کے انتقال کے بعد لاہور چلے گئے وہاں انہیں سرکاری بک ڈپو میں ملازمت کے دوران انگریزی ادب سے واقفیت کا سنہری موقع ملا، مغربی خیالات سے متاثر ہوئے اور ان کے ذہن میں اردو نثر و نظم کی اصلاح کا خیال پیدا ہوا۔

حالؔی نے جدید طرز کی شاعری کی بنیاد ڈالی۔ نظمیہ شاعری کو حقیقت پسندی، فطری جذبات اور احساسات کی پیش کشی کے لئے سازگار ماحول پیدا کیا۔ انہوں نے سرسید کی فرمائش پر اپنی مشہور تصنیف ''مدوجزر اسلام'' جو مسدس حالؔی کے نام سے مشہور ہے ان کی ادبی خدمات کے صلہ میں حکومت نے انہیں 1904 میں شمس العلماء کے خطاب سے نوازا۔

حالی کی اصلاحی نظموں میں مناظرہ رحم و انصاف، مناجات بیوہ، وغیرہ شامل ہیں۔ حالؔی اچھے نثر نگار اور سوانح نگار بھی تھے۔ ان کی نثری تصانیف میں مکتوبات حالؔی، مقالات حالؔی مشہور ہیں اور ''حیات جاوید''، ''حیات سعدی''، ''یادگار غالبؔ'' مغربی طرز کی سوانح نگاری کی بہترین مثالیں ہیں۔ حالؔی کا انتقال 31 ستمبر 1914ء کو پانی پت میں ہوا۔

ابتدائیہ

قبضہ ہو دلوں پر کیا اور اس سے سوا تیرا
ایک بندۂ نافرماں ہے حمد سرا تیرا

اللہ ہی کا ہمارے دلوں پر قبضہ ہے ہم اسی کی حمد وثنا اور عبادت کرتے ہیں۔ یہ اللہ ہی کی شان ہے کہ ایک گناہ گار بندۂ بھی اس کی بارگاہ میں حاضری دے کر حمد وثنا کر سکتا ہے۔ اللہ ہی ہر چیز پر قادر ہے ہر کوئی اس کے کرم کا محتاج ہے کوئی مشکل و مصیبت آتی ہے تو سب اسی کا رخ کرتے ہیں کیونکہ وہ ہی ہر غم و مصیبت سے نجات دینے کی قدرت رکھتا ہے۔ آیئے حالؔی کی حمد کا مطالعہ کرتے ہیں جس میں حالی نے اللہ کی صفات، بزرگی اور اللہ سے اپنی محبت کا اظہار کیا ہے۔

I

کامل ہے جو ازل سے وہ ہے کمال تیرا
باقی ہے جو ابد تک وہ ہے جلال تیرا
ہے عارفوں کو حیرت اور منکروں کو سکتہ
ہر دل پہ چھا رہا ہے رعب جمال تیرا
گو حکم تیرے لاکھوں یاں ٹالتے رہے ہیں
لیکن ٹلا نہ ہرگز دل سے خیال تیرا
پھندے سے تیرے کیونکر جائے نکل کے کوئی
پھیلا ہوا ہے ہر سو عالم میں جال تیرا
ان کی نظر میں شوکت جچتی نہیں کسی کی
آنکھوں میں بس رہا ہے جن کے جلال تیرا

سوچیے۔ بولیے

1۔ عارفوں کے حیران اور منکروں کے سکتے میں مبتلا ہونے کی کیا وجہ ہے؟
2۔ دلوں سے اللہ کا خیال کیوں نہیں نکالا جا سکتا۔

II

دل ہو کہ جان، تجھ سے کیونکر عزیز رکھئے
دل ہے سو چیز تیری جاں ہے سو مال تیرا

ہے پیر زال سے دل اس کا قوی زیادہ
رکھتی ہے آسرا یاں جو پیر زال تیرا

ہے پاس دوستوں کے تیری یہی نشانی
یا رب! کبھی نہ پائے زخم اندمال تیرا

بیگانگی میں حالؔی! یہ رنگ آشنائی
سن سن کر سر دھنیں گے قال، اہل حال تیرا

سوچیے۔بولیے

1۔ پیرزال سے کیا مراد ہے؟
2۔ اللہ کے دوست کیسے ہوتے ہیں؟

خلاصہ

اس حمد میں حالؔی انتہائی دلکش انداز میں اللہ کی تعریف، صفات، بزرگی، خدائی اور اس سے اپنی محبت کا اظہار کر رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا وجود کامل اس کائنات کے آغاز سے ہے اور اختتام کے بعد بھی قائم رہے گا ہر چیز فنا ہو جائے گی باقی رہے گی تو اللہ کی ذات۔ اے اللہ تیرے حسن و جمال کا رعب و دبدبہ اس قدر شان والا ہے کہ ہر کوئی اس سے مرعوب ہو جاتا ہے۔ اہل ایمان تیری قدرت کے جلوؤں کا نظارہ کرتے ہیں تو حیرت کے سمندر میں ڈوب جاتے ہیں اور منکر تیری خدائی کا نظارہ کرتے ہیں تو ان پر سکتہ طاری ہو جاتا ہے کہ اگر وسیع ترین نظام کائنات بہترین طریقے سے چل رہا ہے تو اس نظام کو چلانے والی ہستی کتنی عظیم ہوگی۔ اگرچہ کہ دنیا میں بہت سے لوگ ہیں جو اللہ کی حکم عدولی، نافرمانی کرتے ہیں اس کے ذکر سے غافل ہیں لیکن جب کبھی یہ لوگ کسی مشکل میں مبتلا ہوتے ہیں تو اللہ کو ہی یاد کرتے ہیں۔ اللہ کی یاد سے دل کبھی خالی نہیں ہوتا۔ اللہ رب الکائنات ہے چھوٹے سے چھوٹے ذرے سے لے کر کہکشاؤں کی بلندیوں تک اس کی نظر ہے۔ وہ سب کے دلوں کے حالات جانتا ہے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ کوئی برائی کرنے والا اس کی گرفت سے بچ سکتا ہے۔ ہر چیز پر اس کی گرفت مضبوط ہے۔ اس کی عظمت اور شوکت کے جلوؤں کو جس نے پہچان لیا اس کی نظر میں دنیا کی کوئی بھی قیمتی چیز کی کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔

شاعر اللہ سے بے انتہا محبت کا اظہار کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اے اللہ تو ہمیں دل و جان سے زیادہ پیارا ہے یہ زندگی اور دھڑکنیں تیری ہی عطا کردہ ہیں تیری راہ میں جان کی بھی ضرورت ہو تو ہم بلا جھجک قربانی دینے کے لئے تیار ہیں۔

حالؔی کہتے ہیں کہ اس بہادر جواں سے اس بوڑھے کا دل زیادہ مضبوط ہوتا ہے جو اللہ پر یقین کامل رکھتا ہے۔ اللہ کے چاہنے والوں کی نشانی یہ ہے کہ ان کے دلوں کو صرف اللہ کی یاد سے سکون اور روح کو تازگی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ذکر سے حاصل ہوتی ہے۔ جو لوگ اللہ کی یاد سے غافل اور بے تعلق ہیں جب ان کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل بھی اللہ کی یاد سے معمور ہو جاتے ہیں۔ ان پر ایک عجیب سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے اور وہ اللہ کی تعریف کیے بغیر نہیں رہ سکتے۔

آیئے لسانی استعداد حاصل کریں۔

I۔ سمجھنا اظہار خیال کرنا

(الف) دیئے گئے اشعار کی متن کے حوالے سے تشریح کیجئے:

1. کامل ہے جو ازل سے وہ ہے کمال تیرا
   باقی ہے جو ابد تک وہ ہے جلال تیرا
2. پھندے سے تیرے کیونکر جائے نکل کے کوئی
   پھیلا ہوا ہے ہر سو عالم میں جال تیرا

(الف) حمد کے دوسرے حصہ کا بغور مطالعہ کریں اور پانچ سوالات تیار کریں۔

1. .....
2. .....
3. .....
4. .....
5. .....

II۔ زبانی شناسی

لفظیات:

(الف) دئے گئے محاوروں کے درست معنی تلاش کر کے جوڑ ملایئے۔

1. پھندے میں پھنسانا	a. حکم نہ ماننا۔نافرمانی
2. سر دھننا	b. واقف ہونا/دوست بن جانا
3. رعب ڈالنا	c. جال میں پھانسنا/قابو میں لانا
4. حکم ٹالنا	d. دھاک ڈالنا۔ڈر بٹھانا
5. آئینہ ہو جانا	e. مزے میں آ کر جھومنا۔لطف میں سر ہلانا

(ب) خط کشیدہ الفاظ کی درست ضد کا انتخاب کر کے خالی جگہ پر لکھیے۔

1. ازل سے _____ تک اللہ کی مخلوق اس کی اطاعت کرتی رہے گی۔ (ابد/عابد)
2. ہر بندے کی صحت ایک جیسی نہیں ہوتی۔کوئی قوی تو کوئی _____ ہوتا ہے۔(توانا/نحیف)
3. بے وقوفوں سے آشنائی سے تو _____ بہتر ہے۔ (نا آشنائی/دوستی)
4. بے آسرا لوگ ہمیشہ _____ کی تلاش میں رہتے ہیں۔ (آسرا/گھر)

III۔ اظہار مافی الضمیر ۔تخلیقی اظہار

(الف) دیے گئے سوالوں کے جواب 5 تا 6 جملوں میں لکھیے۔

1. ازل سے ابد تک کس کی ذات باقی رہے گی اور کیوں؟
2. ''پھیلا ہوا ہے ہر سو عالم میں جال تیرا'' اس مصرعے کا کیا مطلب ہے؟
3. کیسے لوگوں کی نظروں میں دنیا کی شان و شوکت نہیں جچتی ؟
4. شاعر الطاف حسین حالؔی کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟

(ب) دیے گئے سوالوں کے جواب 10 تا 12 جملوں میں لکھیے۔

1. حالؔی نے ''حمد'' میں اللہ تعالیٰ کی بڑائی کس طرح بیان کی ہے تفصیل سے لکھیے۔
2. حالؔی نے اس حمد میں اللہ سے عقیدت و محبت کا اظہار کیا ہے۔آپ اللہ سے اپنی عقیدت و محبت کا اظہار کس طرح کریں گے بیان کریں۔

تخلیقی انداز میں لکھیے۔

1. اللہ رب العزت کی بارگاہ میں اپنی حاجت روائی کے لئے چند دعائیہ کلمات لکھیے۔

فرہنگ

ابد	:	ہمیشہ/وہ زمانہ جس کی انتہا نہ ہو
ازل	:	ابتداء/شروع
اندمال	:	تسلی/اطمینان
بے گانگی	:	غیریت/اجنبیت
پیرزال	:	سفید بال والا بوڑھا/کہن سال
جچتی	:	نظر پر چڑھنا/پسند آنا
جلال	:	بزرگی، عظمت، بڑائی
سکتہ	:	تعجب کی حالت، خاموشی/حیرت/تحیر
سو	:	سمت/جانب
عارفوں	:	عارف کی جمع/خدا شناس ولی
قال	:	گفتگو/مباحثہ/قول
قوی	:	زور آور/توانا
کامل	:	پورا۔تمام
منکر	:	انکار کرنے والا
یاں	:	یہاں کا مخفف

2. خاک ہند

پنڈت برج نارائن چکبست

مقصد

ہندوستان اپنی تہذیبی اور ثقافتی روایات کی بنیاد پر صدیوں سے سارے جہاں کی توجہ کا مرکز رہا ہے۔ کم وبیش سارا عالم اس کی متنوع خوبیوں سے بہرہ مند ہوتا رہا ہے۔ مادر وطن ہندوستان کی شان وشوکت کے اظہار میں کئی شعرا نے اپنے اپنے انداز میں نظمیں تحریر کی ہیں۔ چکبست بھی انہیں میں سے ایک ہیں۔ چکبست نے وطن کی محبت میں سرشار ہوکر نظم ''خاک ہند'' تحریر کی ہے۔ اس نظم کی تدریس کا مقصد طلبا میں وطن کی اہمیت کو اجاگر کرنا' اس کی خوبیوں سے واقف کروانا اور ملک وقوم کے لئے ایثار وقربانی کے جذبے کو فروغ دینا ہے۔

صنف کی تعریف و ماخذ

حب الوطنی اور وطن کی شان وشوکت کا اظہار اس نظم کا موضوع ہے۔ اس سبق کا تعلق صنف سخن ''نظم'' سے ہے۔ نظم کے لغوی معنوی انتظام وترتیب یا آرائش کے ہیں۔ جیسے دھاگے میں موتی پرونا' عام طور پر نظم کا ایک مرکزی خیال ہوتا ہے جس کے گرد پوری نظم کا تانا بانا بنا جاتا ہے۔ اس نظم کو چکبست کے مجموعہ کلام ''صبح وطن'' سے لیا گیا ہے جس کی مرتبہ اُما چکبست ہیں۔

شاعر کا تعارف

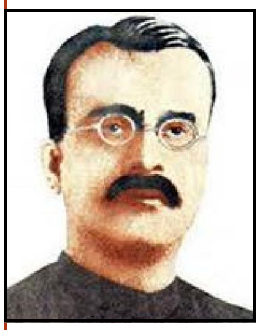

چکبست کا پورا نام پنڈت برج نارائن ہے اور چکبست تخلص ہے۔ ان کی پیدائش 1882ء میں فیض آباد (یوپی) میں ہوئی۔ لیکن چکبست کے آباواجداد چونکہ لکھنو سے تعلق رکھتے تھے اس لئے چکبست بھی بچپن ہی میں لکھنو چلے آئے اور وہیں ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ اویکننگ کالج لکھنو میں داخلہ لیا۔ 1905ء میں B.A اور 1908ء میں وکالت کا امتحان پاس کیا اور عملاً وکالت بھی شروع کردی۔ رفتہ رفتہ چکبست لکھنو کے مشہور وکیلوں میں شمار ہونے لگے۔

چکبست فطری شاعر تھے چنانچہ ان کو بچپن ہی سے شاعری کا شوق تھا یہی وجہ ہے کہ 9-10 سال کی عمر میں چکبست نے پہلی غزل کہی۔ تب سے انہوں نے پیچھے مڑکر نہیں دیکھا اور زندگی کی آخری سانسوں تک شعر گوئی میں مصروف رہے۔ اساتذہ شعرا میں چکبست آتش' غالب اور انیس کے شیدائی تھے۔ ان کی غزلوں میں آتش کا رنگ اور مسدس پر انیس کی تقلید کا اثر نمایاں ہے۔ شاعری کے خیالات اگرچہ اساتذہ کے خیال سے مختلف ہیں لیکن طرز کلام سلاست زبان' بندش الفاظ اور حسن تراکیب میں مذکورہ اساتذہ کی تقلید نمایاں ہے۔

ابتدائیہ

علامہ اقبال جب یورپ و یونان کی سیر و سیاحت سے ہندوستان لوٹے تو یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ

سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا
ہم بلبلیں ہیں اس کی یہ گلستاں ہمارا

کیونکہ سیر و سیاحت کے دوران اقبال نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور محسوس بھی کیا کہ ہمارا ملک ہندوستان بہت ساری خوبیوں کا مالک ہے۔ اللہ نے اس ملک میں اپنے فیض کے دریا بہائے ہیں وہ کسی اور ملک کو میسر نہیں چاہے وہ بین رکشیر مذہبی رواداری ہو کہ ملت کی آپسی بھائی چارگی، قدرت کے حسین و دلکش مناظر ہوں کہ سرزمین ہند میں بہنے والی دریاؤں کی روانی، علوم و فنون کا مرکز ہوں کہ تاریخی و تہذیبی ورثے۔ یہ ایسی خوبیاں ہیں جن کا کوئی ملک ہمارے ملک کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔

ایسی ہی بے شمار خوبیوں کا ذکر چکبست نے اپنی نظم ''خاک ہند'' میں کیا ہے۔ آیئے ہم اس نظم کو تفصیل سے پڑھتے ہیں۔

I

اے خاک ہند تیری عظمت میں کیا گماں ہے
دریائے فیض قدرت تیرے لیے رواں ہے
تیرے جبیں سے نور حسن ازل عیاں ہے
اللہ رے زیب و زینت کیا اوج عز و شاں ہے
ہر صبح ہے یہ خدمت خورشید پر ضیا کی
کرنوں سے گوندھتا ہے چوٹی ہمالیا کی

اس خاک دل نشیں سے چشمے ہوئے وہ جاری
چین و عرب میں جن سے ہوتی تھی آبیاری
سارے جہاں پہ جب تھا وحشت کا ابر طاری
چشم و چراغ عالم تھی سرزمیں ہماری
شمع ادب نہ تھی جب یوناں کی انجمن میں
تاباں تھا مہر دانش اس وادیِ کہن میں

سوچیے۔بولیے

1. ہر روز صبح خورشید کیا خدمت انجام دیتا ہے؟
2. سرزمین ہند ساری دنیا کے لئے چشم و چراغ کیوں تھا؟

II

گوتم نے آبرو دی اس معبد کہن کو
سرمد نے اس زمیں پر صدقے کیا وطن کو
اکبر نے جام الفت بخشا اس انجمن کو
سینچا لہو سے اپنے رانا نے اس چمن کو
سب سوربیر اپنے اس خاک میں نہاں ہیں
ٹوٹے ہوئے کھنڈر ہیں یا ان کی ہڈیاں ہیں

دیوار و در سے اب تک ان کا اثر عیاں ہے
اپنی رگوں میں اب تک ان کا لہو رواں ہے
اب تک اثر میں ڈوبی ناقوس کی فغاں ہے
فردوس گوش اب تک کیفیت اذاں ہے
کشمیر سے عیاں ہے جنت کا رنگ اب تک
شوکت سے بہہ رہا ہے دریائے گنگ اب تک

سوچیے۔بولیے

1. اکبراعظم نے کس طرح سرزمین ہند کی خدمت کی؟
2. صوفی سرمد نے اپنی رہائش کے لئے ہندوستان کو کیوں چنا؟

III

اگلی سی تازگی ہے پھولوں میں اور پھلوں میں
کرتے ہیں رقص تب تک طاؤس جنگلوں میں
اب تک وہی کڑک ہے بجلی کی بادلوں میں
پستی سی آگئی ہے پر دل کے حوصلوں میں
گل شمع انجمن ہے گو انجمن وہی ہے
حب وطن وہی ہے خاک وطن وہی ہے

اے صور حب قومی اس خواب سے جگادے
بھولا ہوا فسانہ کانوں کو پھر سنادے
مردہ طبیعتوں کی افسردگی مٹادے
اٹھتے ہوئے شرارے اس راکھ سے دکھادے
حب وطن سمائے آنکھوں میں نور ہوکر
سر میں خمار ہوکر دل میں سرور ہوکر

سوچیے۔بولیے

1. دلوں میں پستی آنے کی وجہ کیا ہے؟
2. شاعر ''حب وطن'' کس طرح آنکھوں میں سمانے کا متمنی ہے؟

خلاصہ

نظم خاک ہند میں برج نرائن چکبست نے تاریخی وتہذیبی پہلوؤں کو اجاگر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اے سرزمین ہند تیری عظمت میں کوئی گمان نہیں۔تو اپنی آن بان شان کے لئے دنیا بھر میں اپنا مقام رکھتی ہے۔ قدرت کی بے شمار نعمتیں یہاں میسر ہیں' خدا کے فیض سے یہ ملک مالا مال ہے۔ ہندوستان ازل سے ہی حسن کی رنگینیوں میں ڈوبا ہوا ہے۔دریا پہاڑ اور دلکش نظارے اس کی جبین (پیشانی) کو چار چاند لگائے ہوئے ہیں۔کوہ ہمالیہ پر جب صبح کی کرنیں پڑتی ہیں تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ سر پر ایک زریں چوٹی گوندھی جارہی ہے اور یہ خدمت سورج ازل سے ہی بحسن خوبی انجام دے رہا ہے۔

دوسرے بند میں شاعر کہتا ہے کہ زمانہ قدیم میں بھی ہندوستان کی عظیم تہذیب کا ڈنکا ساری دنیا میں بجتا تھا اور اس کے

علوم وفنون سے چین وعرب فیضیاب ہوتے رہے ہیں۔ جب دنیا میں وحشت و جہالت کا دور دورہ تھا ہمارا ہندوستان علوم فنون کی دولت سے مالا مال تھا۔ اور ساری دنیا اس پر ناز کرتی تھی۔ جب یونان جہالت کے اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا اس وقت بھی سرزمین ہند میں علم وحکمت کا سورج چمک رہا تھا۔

تیسرے بند میں شاعر کہتا ہے کہ گوتم بدھ کی تعلیمات نے دنیا بھر میں ملک کا نام روشن کیا ہے۔ حضرت صوفی سرمد رحمتہ اللہ علیہ نے اس ملک کے علم وحکمت سے متاثر ہوکر اپنے وطن عزیز کو خیر باد کہہ کر سرزمین ہند میں قیام پذیر ہوئے۔ شہنشاہ اکبر نے اس کثیر مذہبی ملک کو محبت کا جام پلا کر باہمی محبت والفت کو فروغ دیا۔ مہاراجہ رانا پرتاپ سنگھ نے اپنے لہو سے اس ملک کی آبیاری کی اور اس کی آن بان کے لئے اپنی جان نچھاور کر دیا۔ آج بھی سرزمین ہند میں بے شمار بہادروں کے مقبرے' کھنڈرات اور تاریخی مقامات اپنے اندر سمٹے ہوئے ہیں۔

چوتھے بند میں شاعر کہتا ہے کہ ماضی کے اثرات ابھی بھی یہاں کی درودیوار سے ظاہر ہیں' مندر کے ناقوس کی صدا میں اب بھی وہی تاثیر موجود ہے۔ مسجدوں سے اذان کی صدائیں آج بھی کانوں میں رس گھول رہی ہیں' حسن کشمیر آج بھی جنت کا نظارہ پیش کر رہا ہے۔ دریائے گنگا آج بھی وہی آب وتاب کے ساتھ بہہ رہا ہے۔

پانچویں بند میں شاعر کہتا ہے کہ سرزمین ہند میں اگنے والے پھولوں اور پھلوں میں وہی تازگی موجود ہے۔ باغوں میں آج بھی مور رقصاں ہیں' موسم برسات میں چمکنے والی بجلیوں میں وہی کڑک موجود ہے لیکن اہل وطن پست حوصلوں کے شکار ہو چکے ہیں۔ کیوں کہ ان میں خودغرضی' مفاد پرستی' لالچ اور بے حسی آ گئی ہے۔ لوگ تو وہی ہیں مگر حب الوطنی کا جذبہ ماند پڑ گیا ہے۔ وطن تو وہی ہے لیکن اہل وطن کے دلوں میں حب الوطنی ویسی باقی نہیں رہی ہے۔

چھٹے بند میں شاعر قوم وملک کے دلوں میں حب الوطنی کے صور (ناقوس) سے مخاطب ہوکر کہتا ہے کہ اے صور حب قومی! تو پھر بجنا شروع ہو جا اور لوگوں کو خواب غفلت سے جگا دے۔ اہل وطن حب الوطنی کو بھول چکے ہیں انہیں پھر نغمہ حب الوطنی سنا دے تا کہ اہل وطن پر جو مایوسی چھائی ہوئی ہے وہ ختم ہو جائے۔ مردہ دلوں کی خاک سے ایسی چنگاریاں اٹھے کہ لوگوں کی آنکھوں سے وطن کی محبت چھلک جائے' دل ودماغ حب الوطنی کے جذبہ سے سرشار ہو جائے' اہل وطن ملک وقوم کی بہتری کے لئے فلاح وبہبود کے خاطر اپنا تن من دھن لگا دے۔

آیئے لسانی استعداد حاصل کریں۔

I. سمجھنا۔اظہار خیال کرنا

(الف) ذیل کے اشعار پڑھ کر دئے گئے سوالوں کے جواب لکھئے۔

اس خاک دل نشیں سے چشمے ہوئے وہ جاری
چین و عرب میں جن سے ہوتی تھی آبیاری
سارے جہاں پہ جب تھا وحشت کا ابر طاری
چشم و چراغ عالم تھی سرزمیں ہماری
شمع ادب نہ تھی جب یوناں کی انجمن میں
تاباں تھا مہر و دانش اس وادی کہن میں

1. خاک ہند کو دل نشیں کیوں کہا گیا؟
2. سارے جہاں میں وحشت طاری ہونے سے کیا مراد ہے؟
3. ہندوستان چشم و چراغ عالم ہونے سے کیا مراد ہے؟
4. عقل و دانش کا آفتاب ہندوستان میں کب سے روشن تھا؟
5. چین و عرب کس سے فیضیاب ہو رہے تھے؟

II۔ زبان شناسی

لفظیات

(الف) چوتھے بند کے تمام قافیے لکھئے۔

.....

.....

.....

.....

(ب) ان الفاظ کی ضد لکھئے:

عیاں .....

ازل .....

تازہ .....

نور .....

عروج .....

III۔ اظہار مافی الضمیر ۔تخلیقی اظہار

(الف) مختصر جوابی سوالات

1. چکبست کی نظم نگاری پر ایک نوٹ لکھئے۔
2. اے خاک ہند تیری عظمت میں کیا گماں ہے؟ اس مصرعے کے ذریعہ شاعر کیا پیغام دے رہا ہے؟
3. ''سرمد نے اس زمین پر صدقے کیا وطن کو'' اس مصرعے سے کیا مراد ہے؟
4. شاعر نے ہندوستان کے بہادروں کا ذکر کس طرح کیا ہے؟

(ب) طویل جوابی سوالات:

1. اہل وطن کے حوصلے کیوں پستی کے شکار ہو گئے ہیں اس کا تدارک کیا ہے؟
2. شاعر صور سے مخاطب ہو کر کیا کہہ رہا ہے؟ تحریر کیجئے۔
3. نظم کے پانچویں بند کا خلاصہ اپنے الفاظ میں لکھئے۔
4. چکبست نے اپنی نظم ''خاک ہند'' میں ہندوستان کی عظمت کو کس طرح بیان کیا ہے تفصیل سے لکھئے؟

(ج) تخلیقی انداز میں لکھیے۔

1. حب الوطنی پر مبنی پانچ نعرے لکھئے۔

فرہنگ

آبیاری = سیراب کرنا

ازل = آغاز، ابتدا

اکبر = شہنشاہ جلال الدین محمد اکبر مغلیہ سلطنت کا بادشاہ۔ ہمایوں کا بیٹا

اوج = بلندی، عروج

الفت = محبت

افسردگی = بوجھل ہونا

جبیں = پیشانی، ماتھا

خاک = مٹی

خمار = سرشار، مست

خورشید = سورج

رانا = مہاراجہ رانا پرتاپ سنگھ ایک ہندو راجہ

رقص = ناچ

رواں = جاری

سرمد = حضرت صوفی سرمد علیہ الرحمہ (1590-1661) جو ایران چھوڑ کر ہندوستان تشریف لائے اور یہیں قیام پذیر ہو گئے۔

سرور = فرحت، خوشی

سوربیر = بہادر، جنگ جو

صور = ناقوس

ضیا = روشنی

طاؤس = مور

عیاں = ظاہر

فغاں = شور، غل، نالہ

کہن = قدیم

گوتم بدھ	=	مذہب کا بانی
گوش	=	کان
گل ہونا	=	بجھنا
مرجھا جانا	=	پژمردہ ہونا
مہر	=	آفتاب/سورج
معبد	=	عبادت گاہ
ناقوس	=	شنکھ
نہاں	=	چھپا ہوا
وحشت	=	گھبراہٹ

3. غزل

جگر مرادآبادی

مقصد

غزل اردو کی مقبول عام صنف ہے۔ابتدائی دور میں اس میں عشق ومحبت کو ہی موضوع بنایا جاتا رہا تھا۔لیکن دور جدید میں غزلوں میں اصلاحی، سماجی، اخلاقی اور سیاسی، فلسفیانہ اور تصوف کے موضوعات کو بھی شامل کیا گیا۔فلسفیانہ اور تصوف کے موضوعات کو کس طرح غزل میں پیش کیا جاتا ہے اس سے طلبا کو واقف کروانا اس غزل کی تدریس کا مقصد ہے۔

صنف کی تعریف و ماخذ

غزل کے لغوی معنی ''عورتوں سے باتیں کرنا'' ہے لیکن دور جدید کے شعرا نے غزل میں سیاسی، سماجی، مذہبی اور فلسفیانہ خیالات کو بھی پیش کیا ہے۔غزل کا پہلا شعر ''مطلع'' کہلاتا ہے جس کے دونوں مصرعوں میں ردیف اور قافیہ کی پابندی کی جاتی ہے۔اگر دوسرے شعر میں بھی ردیف اور قافیہ کی پابندی کی جائے تو ''حسن مطلع'' کہلاتا ہے۔غزل کا آخری شعر مقطع کہلاتا ہے جس میں شاعر عام طور پر اپنا تخلص پیش کرتا ہے۔شعر کا آخری لفظ جس کی تکرار تمام اشعار کے دوسرے مصرعے میں کی جاتی ہے اس کو ''ردیف'' کہتے ہیں۔ردیف سے پہلے آنے والے ہم وزن الفاظ قافیہ کہلاتے ہیں۔زیر نظر غزل جگر کے شعری مجموعہ ''آتش گل'' سے ماخوذ ہے۔

شاعر کا تعارف

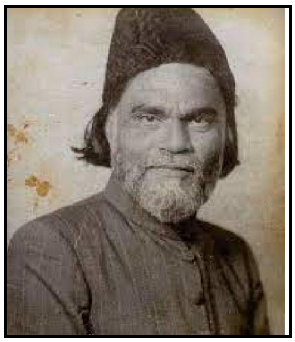

علی سکندر نام اور جگر تخلص کرتے تھے۔1890ء کو مرادآباد میں پیدا ہوئے۔جگر کی ابتدائی تعلیم گھر پر اور پھر مکتب میں ہوئی۔جگر کو زمانہ طالب علمی سے ہی شاعری کا شوق تھا۔جگر کا شمار بیسویں صدی کے مشہور شعرا میں ہوتا ہے۔جگر نے غزل کو ایک نیا رنگ، روپ، آہنگ، تازگی عطا کی۔ان کی بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ اپنے احساسات کو بیان کرنے میں جھجکتے نہیں، بدلے ہوئے حالات وتقاضے کے مطابق انہوں نے اپنی شاعری کے انداز کو بدلا اور خارجی واقعات کو بڑی عمدگی سے اپنی غزلوں میں بیان کیا۔دیوان جگر، داغ جگر، شعلہ طور، آتش گل ان کے شعری مجموعے ہیں۔

1955 میں ساہتیہ اکیڈمی نے انعام سے نوازا اور حکومت ہند نے پدم بھوشن کے خطاب سے نوازا۔علی گڑھ مسلم یونیورسٹی نے انہیں ڈاکٹریٹ کی اعزازی ڈگری عطا کی۔جگر کا انتقال 9 ستمبر 1960 کو گونڈہ میں ہوا۔

ابتدائیہ

دنیا کے ہر ایک ذرے سے گھبراتا ہوں
غم سامنے آتا ہے جدھر جاتا ہوں
رہتے ہوئے اس جہان میں مدت گذری
پھر بھی اپنے کو اجنبی پاتا ہوں

امجد حیدر آبادی اس رباعی میں کہہ رہے ہیں کہ اس دنیا میں رہتے ہوئے مجھے کافی عمر گزری لیکن ایسا لگتا ہے کہ دنیا آج بھی میرے لئے اجنبی سی ہے۔اسی لئے میں دنیا کے ہر ایک ذرے سے گھبرانے لگا ہوں مجھے ہر طرف غم ہی غم نظر آتے ہیں۔

آیئے ایسے ہی چند اشعار پر مشتمل ایک غزل کا مطالعہ کرتے ہیں جس میں دنیا کی بے ثباتی، گرتے ہوئے انسانی اقدار اور انسانی فطرت کو اجاگر کیا گیا ہے۔

I

جہل خرد نے دن یہ دکھائے! گھٹ گئے انسان بڑھ گئے سائے
ہائے وہ کیوں کر دل بہلائے غم بھی جس کو راس نہ آئے!
ضد پر عشق اگر آجائے! پانی چھڑکے آگ لگائے!
دل پر کچھ ایسا وقت پڑا ہے بھاگے لیکن راہ نہ پائے!
کیسا مجاز اور کیسی حقیقت اپنے ہی جلوے اپنے ہی سائے
جھوٹی ہے ہر ایک مسرت روح اگر تسکین نہ پائے!

سوچیے۔بولیے

1۔ مجاز اور حقیقت سے کیا مراد ہے؟
2۔ ہر مسرت جھوٹی کب لگنے لگتی ہے؟

II

کار زمانہ جتنا جتنا! بنتا جائے بگڑتا جائے!
ضبط محبت‘ شرط محبت جی ہے کہ ظالم اڈا آئے!
حسن وہی ہے حسن‘ جو ظالم! ہاتھ لگائے ہاتھ نہ آئے!
نغمہ وہی ہے نغمہ‘ کہ جس کو روح سنے اور روح سنائے
راہ جنوں آسان ہوئی ہے زلف و مژہ کے سائے سائے

سوچیے۔بولیے

1۔ بہترین نغمہ کونسا ہے؟
2۔ محبت کے لئے شرط کیا ہے؟

تشریح:

جہل خرد نے دن یہ دکھائے!
گھٹ گئے انساں بڑھ گئے سائے

تشریح: عقل اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ بیش بہا اور انمول نعمت ہے۔اس کے درست استعمال سے انسان کو انسانیت‘ سچائی اور اچھائی کی راہ ملتی ہے۔شاعر کہتا ہے کہ موجودہ دور میں لوگ عقل کا غلط استعمال کر کے انسانیت کے مقام سے گر گئے ہیں۔اس لئے دنیا میں انسانیت کے رتبے پر فائز انسان گھٹ گئے ہیں اور جو باقی ہیں ان کی حیثیت بے قیمت سایوں کی طرح ہوگئی ہے۔جن کا اپنا کوئی ذاتی وجودنہیں ہوتا۔

ہائے وہ کیوں کر دل بہلائے
غم بھی جس کو راس نہ آئے!

تشریح: اس شعر میں جگر مایوسی اور افسردگی کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ خوشیاں نہ سہی غم بھی مجھے مل جائے تو میں اظہار غم میں رو دھو کر ہی اپنے دل کو ہلکا کر لیتا۔ لیکن میں ایسی کیفیت میں ہوں کہ غم بھی میرے پاس نہیں کہ ان سے دل بہلا لیتا صرف مایوسی اور افسردگی ہر طرف پھیلی ہوئی ہے۔

ضد پر عشق اگر آجائے!
پانی چھڑکے آگ لگائے!

تشریح: اس شعر میں جگر جذبہ عشق کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ عشق وہ جذبہ ہے جو ناممکن کو ممکن بنا دیتا ہے کیونکہ اس میں مصلحت آمیزی نہیں ہوتی بلکہ اپنے محبوب کو حاصل کرنے ضد ہوتی ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ کوئی فرد اپنے مقصد کے تئیں لگن اور دھن سوار کر لے تو وہ انہونی کو ہونی کر سکتا ہے۔ جسے شاعر نے مثال دی ہے پانی چھڑکنے پر بھی آگ لگ سکتی ہے۔

دل پر کچھ ایسا وقت پڑا ہے
بھاگے لیکن راہ نہ پائے!

تشریح: اس شعر میں شاعر کہتا ہے کہ میرے دل پر بے چینی و بے کلی سی چھائی ہوئی ہے۔ میں اس سے راہ فرار اختیار کر کے سکون پانا چاہتا ہوں۔ لیکن کوئی راہ نہیں ملتی۔ جگر نے انسانی فطرت کے ایک پہلو کا اظہار کیا ہے کہ انسان خوشیوں' کامیابیوں اور مسرتوں کا استقبال تو کرتا ہے لیکن جب حالات بدلتے ہیں اور رنج والم اور ناکامیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو ان کا سامنا کرنے کے بجائے ان سے بھاگنا چاہتا ہے۔

کیسا مجاز اور کیسی حقیقت
اپنے ہی جلوے اپنے ہی سائے

تشریح: اس شعر میں جگر نے تصوف کی دو اصطلاحات ''مجاز'' اور ''حقیقت'' کا استعمال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہمیں مجاز اور حقیقت کی بحث میں پڑنے کے بجائے اپنے اعمال کی درستگی پر دھیان دینا چاہئے۔ کیونکہ سارے تصوف کا نچوڑ تقویٰ اور نیک اعمال ہی ہیں۔ یہاں شاعر نے نیک اعمال کو جلوؤں اور برے اعمال کو سایوں سے تعبیر کرتے ہوئے یاد دلایا کہ بالآخر ''جیسی کرنی ویسی بھرنی'' ہوگی۔

جھوٹی ہے ہر ایک مسرت
روح اگر تسکین نہ پائے

تشریح: اس شعر میں شاعر نے بڑے فلسفیانہ انداز میں موجودہ دور کی مادی خوشیوں کی حقیقت بتلائی ہے کہ لوگ مادی چیزوں کے حصول کو خوشیوں کی ضمانت سمجھتے ہیں حالانکہ انسان کو خوشی اور مسرت کا حقیقی احساس روحانی تسکین سے ملتا ہے اور روح کی تسکین کا سامان، بندگی، انسانیت، ایثار و قربانی، محبت و ہمدردی اور خلوص و وفا کے پیکر بننے میں پوشیدہ ہے۔

کار زمانہ جتنا جتنا
بنتا جائے بگڑتا جائے

تشریح: اس شعر میں جگر دنیا کی حقیقت کو پیش کرتے ہوئے کہتا ہے کہ وہ دنیا کی ریت بڑی نرالی ہے۔ ہر چیز میں تبدیلی کا عنصر موجود ہے۔ چنانچہ دنیا کے کاموں میں انسان جتنا مصروف ہوتا جائے گا اتنا ہی اسے احساس ہوگا کہ دنیاوی معاملات بننے اور بگڑنے سے وابستہ ہے۔ اس لئے آخرت کو چھوڑ کر صرف دنیا کے کاروبار سے وابستگی سراسر نقصان کا سودا ہے۔

ضبط محبت شرط محبت
جی ہے کہ ظالم اٹھا آئے

تشریح: اس شعر میں شاعر محبت کی ایک اہم شرط کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے کہ محبت کی پہلی شرط ضبط و صبر اور بردباری ہے مگر دل بڑا ظالم اور بے صبرا ہوتا ہے وہ بے قابو ہو کر اس شرط کو توڑنے پر بضد ہوتا ہے۔ اس شعر کے ذریعہ شاعر نے یہ نصیحت کی ہے کہ زندگی کے ہر مرحلہ میں صبر و ضبط کا لحاظ رکھا جائے تو کامیابی ممکن ہے اور بے صبری کا مظاہرہ کرنے سے ناکامی ہو سکتی ہے۔

حسن وہی ہے حسن، جو ظالم!
ہاتھ لگائے ہاتھ نہ آئے!

تشریح: جگر کی شاعری کا خاص موضوع حسن و عشق ہے۔ اس شعر میں جگر حسن کو ظاہر قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ حسن کے حصول کی جتنی بھی کوشش کی جائے، حصول مشکل ہی نہیں ناممکن ہوتا ہے۔ اور حقیقی حسن ہی یہ ہے کہ اس کے حصول کے لئے مسلسل جستجو کی جائے۔ آسانی سے ہاتھ آنے والی شئے اپنی قدر کھو دیتی ہے۔ دوسرے الفاظ میں انسان کی لاتعداد خواہشات میں ہر خواہش کی تکمیل نہیں ہوتی کچھ ادھوری رہ جاتی ہے۔ اسلئے خواہشات کو ظالم کہا جاتا ہے۔

نغمہ وہی ہے نغمہ کہ جس کو
روح سنے اور روح سنائے

تشریح: اس شعر میں شاعر گیت اور نغمگی کے ذریعہ حقیقی کیف وسرور کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے کہ جو نغمہ روح کی گہرائیوں سے نکلے اور سننے والے کی روح کو متاثر کرے وہی حقیقی نغمہ ہے۔

راہ جنوں آسان ہوئی ہے
زلف و مژہ کے سائے سائے

تشریح: غزل کے اس شعر میں جگر کہتے ہیں کہ عشق کے جنوں کی راہیں محبوب کی زلفوں اور مژگاں کے سایہ تلے آسان ہوگئی ہیں یعنی ان کے محبوب کا التفات حاصل ہوگیا ہے جس سے جنوں کی راہیں آسان ہوگئی ہیں دوسرے الفاظ میں دنیا کا کوئی کام بھی اللہ کی رضا کے بغیر پورا نہیں ہوسکتا۔

آیئے لسانی استعداد حاصل کریں۔

I۔ سمجھنا اظہار خیال کرنا

(الف) مندرجہ ذیل اشعار کی متن کے حوالے سے تشریح کریے۔

1. حسن خرد نے دن یہ دکھائے
گھٹ گئے انساں بڑھ گئے سائے

2. جھوٹی ہے ہر ایک مسرت
روح اگر تسکین نہ پائے

3. نغمہ وہی ہے نغمۂ کہ جس کو
روح سنے اور روح سنائے

II۔ زبان شناسی

لفظیات:

(الف) مندرجہ ذیل محاوروں کے معنی لکھتے ہوئے انہیں جملوں میں استعمال کریں۔

	محاورے	معنی	جملہ
.1	راس آنا:	.....	.....
.2	پانی چھڑکنا:	.....	.....
.3	آگ لگانا:	.....	.....
.4	اڈآنا:	.....	.....
.5	ہاتھ لگانا:	.....	.....
.6	ہاتھ نہ آنا:	.....	.....

III۔ اظہار مافی الضمیر / تخلیقی اظہار:

(الف) ذیل میں دئے گئے سوالوں کے جواب 5 تا 6 جملوں میں لکھیے۔

.1 ''گھٹ گئے انساں بڑھ گئے سائے'' سے شاعر کی کیا مراد ہے؟

.2 انسان ضد پر آجائے تو کیا کرسکتا ہے؟

.3 بھاگنے پر بھی راہ کیوں نہیں ملتی؟ وضاحت کریں۔

.4 جگر کی غزل گوئی پر اظہار خیال کریں۔

(ب) ذیل میں دئے گئے سوالوں کے جواب 10 تا 12 جملوں میں لکھیے۔

.1 جہل خرد سے ہونے والے نقصانات کو بیان کریں۔

.2 حقیقت اور مجاز کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں تفصیل سے بیان کریں۔

(ج) تخلیقی انداز میں لکھیے۔

.1 عنوان ''انسانیت'' پر ایک مضمون لکھیے۔

فرہنگ

اُمڈا آنا	:	جوش پر آنا/طغیانی پر آنا
آگ لگانا	:	شوق بڑھانا/سوزِ محبت ابھارنا
پانی چھڑکنا	:	ٹھنڈا کرنا/آگ بجھانا
جنوں	:	پاگل پن/کسی چیز کی دھن
جلوے	:	جلوہ کی جمع/نظارے/دیدار
حقیقت	:	مجاز کی ضد/اصل، بنیاد، سچائی
دل بہلانا	:	دل کو کسی کام میں مصروف رکھنا/پریشانی دور کرنا
راہ پانا	:	راستہ پانا
راس آنا	:	فائدہ دینا/نفع بخش
زلف	:	بال/گیسو
ضد پر آنا	:	کسی بات پر اڑ جانا/اصرار کرنا
ضبط کرنا	:	قابو میں کرنا/برداشت کرنا
مجاز	:	غیر حقیقی/آدمی
مسرت	:	خوشی
مژہ	:	پلک کی نوک/پلکیں
نغمہ	:	راگ/اچھی آواز
ہاتھ لگانا	:	چھونا/حاصل کرنا
ہاتھ نہ آنا	:	حاصل نہ ہونا/کسی چیز کا نہ ملنا

4. رباعیات

دبیرؔ، امجدؔ اور اکبرالہ آبادیؔ

مقصد

رباعی اردو کی مقبول صنف ہے اس میں شاعر حمد و ثنا، عشق و محبت، حسن کی تعریف، تصوف، فلسفیانہ نکات، اخلاق، پند و نصائح الغرض زندگی کے ہر پہلو کو پیش کرتا ہے۔ گویا سمندر کو کوزے میں بند کرتا ہے۔ اس سبق میں تین مختلف دور کے شعراء دبیرؔ، امجدؔ اور اکبرالہ آبادی کی رباعیاں شامل ہیں۔ جن کے مطالعہ کے ذریعہ طلبا کو ہر دور کے الگ رنگ، موضوعات اور خیالات سے واقف کروانے اور ان اخلاقی و سماجی اقدار کو فروغ دینا اس سبق کا اہم مقصد ہے۔

صنف کی تعریف و ماخذ

یہ سبق نظم کی صنف رباعی سے متعلق ہے۔ ''رباعی'' عربی لفظ ربع سے ماخوذ ہے جس کے معنی چار کے ہیں۔ رباعی چار مصرعوں پر مشتمل ایک مختصر نظم ہے ان چار مصرعوں میں شاعر کسی ایک موضوع کو ادا کرتا ہے۔ اس کا پہلا، دوسرا اور چوتھا مصرعہ ہم قافیہ ہوتا ہے۔ تیسرے مصرعہ میں قافیہ کی پابندی ضروری نہیں ہوتی۔ عام طور پر انسانی اقدار اخلاقیات اور سماجی اقدار رباعی کے موضوع ہوتے ہیں۔ اس سبق میں دی گئی رباعیات، رباعیات مرزا سلامت علی دبیرؔ، رباعیات امجدؔ اور کلیات اکبر سے ماخوذ ہیں۔

شعراء کا تعارف

1. مرزا سلامت علی دبیرؔ

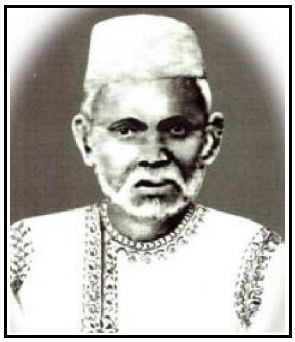

مرزا سلامت علی دبیر نام، دبیرؔ تخلص کرتے تھے۔ دہلی میں 29 اگست 1803ء کو پیدا ہوئے۔ مظفر حسینؔ کے شاگرد تھے۔ دبیرؔ بنیادی طور پر مرثیہ گو شاعر تھے۔ مگر رباعی گوئی میں بھی بڑی شہرت پائی۔ دبیرؔ نے اپنی رباعیوں میں واقعات کربلا کے ساتھ صداقت، شجاعت، استقلال، عجز و انکساری، ایثار و قربانی، فلسفیانہ نکات اور اخلاقی موضوعات کو پیش کیا ہے۔ ان کے کلام میں بہت معنویت اور گہرائی ہوتی ہے۔ دبیر کا انتقال 72 سال کی عمر میں 1875ء کو لکھنو میں ہوا اور لکھنو میں ہی دفن کئے گئے۔

2. اکبرؔ الہ آبادی

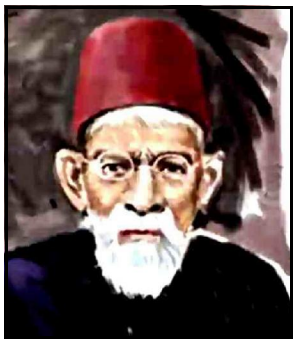

سید اکبر حسین نام، اکبرؔ تخلص کرتے تھے۔ 1846ء میں الہ آباد میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد وکالت کا امتحان کامیاب کیا اور ترقی کرتے ہوئے الہ آباد میں ہی سیشن جج بن گئے۔ حکومت نے انہیں ''خاں صاحب بہادر'' کا خطاب عطا کیا تھا۔

اکبر کی شاعری کا رنگ بالکل الگ ہے جس میں ظرافت کے ساتھ طعن و تشنیع کے نشتر ملتے ہیں۔ اس طنز کی آڑ میں انہوں نے جو اصلاحی کام کئے وہ کسی اور سے نہ ہو سکے۔ اکبر کے دور میں مشرق اور مغرب کے درمیان جو تہذیبی تصادم تھا اس میں وہ مشرق کے حمایتی تھے ان کے دل میں ملک و قوم کی سچی محبت اور تڑپ تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ لوگ مغربی تہذیب کے غلام بن کر اپنے قومی روایات اور اصول معاشرت کو نہ بھول جائیں۔

ان کے کلام میں نصیحت و اصلاح کا جذبہ کارفرما رہتا ہے انہوں نے طنز و ظرافت کے ساتھ ہی حسن و عشق، مذہب، اخلاق اور ناصحانہ موضوعات کو رباعیوں میں پیش کیا۔ ان کی تصانیف میں کلیات اکبر، روح اکبر، انتخاب کلاما اکبر الہ آبادی، دلچسپ شعر، گاندھی نامہ شامل ہے۔ ان کا انتقال 1921ء میں ہوا۔

3. امجدؔ حیدر آبادی

سید احمد حسین نام اور امجدؔ تخلص کرتے تھے۔ 1868ء میں حیدر آباد میں پیدا ہوئے۔ امجدؔ کی ابتدائی تعلیم و تربیت قدیم طرز پر ہوئی۔ بعد میں مدرسہ نظامیہ حیدر آباد میں درس لیتے رہے۔ موسیٰ ندی کی طغیانی میں ان کا سارا خاندان بہہ گیا اس سانحہ کا ان کے دل پر بہت اثر ہوا ساری زندگی تقویٰ اور پرہیز گاری میں گذار دی۔

انہیں تصوف ورثہ میں ملا تھا اس لئے ان کی رباعیات میں اعلیٰ صوفیانہ و ناصحانہ انداز ملتا ہے اور ساتھ ہی اخلاقی مضامین فلسفیانہ نکات، دنیا کی بے ثباتی اور زندگی کے اعلیٰ اقدار کو انہوں نے بڑے ہی موثر انداز میں پیش کیا ہے۔ امجد کی رباعیات فن اور موضوع کے اعتبار سے اتنی اعلیٰ درجہ کی ہوتی ہیں کہ انہیں حقیقی معنوں میں اردو کا عظیم رباعی گو شاعر ہیں۔ ان کی رباعیوں میں وہی رنگ ملتا ہے جو سرمدؔ کی رباعیوں میں پایا جاتا ہے اسی لئے انہیں ''صوفی سرمدؔ'' کا خطاب دیا گیا تھا۔ ان کے شعری مجموعوں میں ریاض امجد، رباعیات امجد، کلیات امجد، خرقہ امجد وغیرہ شامل ہیں۔ ان کا انتقال 1961ء کو حیدر آباد میں ہوا۔

ابتدائیہ

دنیا میں کوئی شئے ایسی نہیں مولا!
پڑھتی نہ ہو تسبیح جو تیری مولا!
اشجار، ہوا، ارض و سماں شمس و قمر
کرتے ہیں بیاں تیری بڑائی مولا!

اس رباعی میں اللہ کی حمد وثنا کرتے ہوئے شاعر کہتا ہے کہ سورج چاند زمین آسمان ہوا پیڑ پودے غرض کوئی شئے ایسی نہیں جو تیری حمد وثنا نہ بیان کر رہی ہو ہر کوئی تیری بڑائی بیان کرنے میں مصروف ہے اس طرح آیئے دیکھتے ہیں کہ دبیرؔ اور دیگر شعرا نے اللہ کی حمد وثنا اور اخلاقیات کو کس طرح رباعی میں پیش کیا ہے۔

I

پروانے کو دھن، شمع کو لو تیری ہے
عالم میں ہر ایک کو تگ و دو تیری ہے
صبح، نجوم و آفتاب و مہتاب
جس نور کو دیکھتا ہوں ضو تیری ہے

قطرے کو گوہر کی آبرو دیتا ہے
قد سرو کو، گل کو رنگ و بو دیتا ہے
بیکار تشخص، تصنع بے سود
عزت وہی عزت ہے جو تو دیتا ہے
(دبیرؔ)

سوچیے۔بولیے

1. اللہ کا نور شاعر کو کہاں کہاں نظر آتا ہے؟
2. خود کو دوسروں سے ممتاز کرنے کے لئے لوگ کیا کیا کرتے ہیں؟

II

دنیا کرتی ہے آدمی کو برباد
افکار سے رہتی ہے طبیعت ناشاد
دو ہی چیزیں ہیں محافظ دل کی
عقبیٰ کا تصور اور اللہ کی یاد
(اکبر)

غفلت کی ہنسی سے آہ بھرنا اچھا
افعال مضر سے کچھ نہ کرنا اچھا
اکبر نے سنا ہے اہل غیرت سے یہی
جینا ذلت سے ہو تو مرنا اچھا
(اکبر)

سوچیے۔بولیے

1. انسان بےسکون کب ہوجاتا ہے؟
2. افعال مضر سے شاعر کی کیا مراد ہے؟

III

بے صبر کی جان ہمیشہ گھبراتی ہے
تسکین کسی طرح نہیں پاتی ہے
آسان ہوتی ہے صبر سے ہر مشکل
ہر قفل میں یہ کلید ٹھیک آتی ہے
(امجد)

کوشش ہے تمام اپنی ستائش کے لئے
کیا کیا کرتے ہیں ایک خواہش کے لئے
ہر ایک نمود پر مٹا جاتا ہے
پتلے مٹی کے ہیں نمائش کے لئے
(امجد)

سوچیے۔بولیے

1. بےصبر انسان ہمیشہ گھبراہٹ میں مبتلا رہتا ہے کیوں؟
2. انسان اپنی خواہش کی تکمیل کے لئے دن رات مصروف رہتا ہے۔ کیوں؟

خلاصہ

پہلی رباعی میں مرزا دبیرؔ، اللہ کے نور کا ہر ذرہ میں ظاہر ہونے کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ پروانہ تیرے وصال کے شوق میں سرگرداں ہے اور شمع تیرے ہی چاہ اور اور توجہ کے حصول کے لئے جلتی ہے۔ دنیا کے ہر ذرہ کو تیری ہی تلاش و جستجو ہے۔ جب کہ سورج چاند ستارے یہاں تک کہ اللہ کی تسبیح کرنے والے میں بھی جو نور نظر آتا ہے دراصل تیرا ہی نور ہے جو اس عالم کے ذرے ذرے سے عیاں ہے۔

دوسری رباعی میں مرزا دبیرؔ اللہ کی عنایات کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی پانی کے معمولی قطرے کو موتی میں بدل کر، سرو کو اونچائی، پھول کو رنگ و بو دے کر عزت و مقبولیت عطا کرتے ہیں۔ خودنمائی، بناوٹ اور دکھاوے سے خود کو دوسروں سے ممتاز یا الگ سمجھنا بیکار و بے سود ہے۔ ایسا کرنے والے ناسمجھ لوگوں کو یہ جان لینا چاہئے کہ اصل عزت و توقیر تو وہ ہے جو اللہ تعالیٰ دیتا ہے۔

پہلی رباعی میں اکبرؔ الہ آبادی نصیحت آمیز انداز میں بیان کرتے ہیں کہ دنیاداری اور دنیا کی فکریں انسان کو برباد اور دل کو بے سکون و غمزدہ کر دیتی ہیں۔ دنیا کی فکر چھوڑ کر آخرت کے خیال اور اللہ کی یاد میں مشغول ہو کر دل کی حفاظت ہو سکتی ہے۔ یعنی دل کی حفاظت دو ہی چیزوں سے ممکن ہے ایک آخرت کا خیال اور دوسرے اللہ کی یاد۔

دوسری رباعی میں شاعر نصیحت کرتے ہوئے کہتا ہے کہ غفلت و بے حسی کی ہنسی، دوسروں کو نقصان پہنچانے والے اعمال کر کے خوش ہونے سے افسردہ رہنا اور کچھ نہ کرنا اچھا ہے۔ اعلیٰ ظرف و غیرت رکھنے والوں نے کہا ہے کہ رسوائی و بدنامی کے ساتھ زندہ رہنے سے مرجانا بہتر ہے۔

امجد حیدر آبادی پہلی رباعی میں صبر کے فائدے اور بے صبری سے ہونے والے نقصانات کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ بے صبر انسان ہمیشہ پریشان اور بے چین رہتا ہے اسے کسی کل بھی چین، آرام و سکون حاصل نہیں ہوتا اگر انسان صبر سے کام لے تو اس کی ہر مشکل آسان ہو جاتی ہے کیونکہ ہر پریشانی و مشکل کی کلید صبر ہے۔ ہر مشکل و پریشانی کا بہتر حل صبر و سکون سے نکالا جا سکتا ہے۔

دوسری رباعی میں امجدؔ حیدر آبادی انسان کی خودنمائی اور انا پرستی کے حوالے سے کہتے ہیں کہ انسان تمام کوششیں اپنی ستائش کی خواہش کی تکمیل کے لئے کرتا ہے۔ اپنی ظاہری خوبی، دکھاوے کی شان و شوکت کی خاطر مٹ جاتا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے نمائش میں رکھے مٹی کے پتلے ہوتے ہیں جو بظاہر تو خوبصورت نظر آتے ہیں مگر اندر سے کھوکھلے اور بے رنگ و ہنر ہوتے ہیں۔

آیئے لسانی استعداد حاصل کریں۔

I۔ سمجھنا اظہار خیال کرنا

I. دی گئی رباعی کی بحوالہ متن تشریح کیجئے۔

کوشش ہے تمام اپنی ستائش کے لئے
کیا کیا کرتے ہیں ایک خواہش کے لئے
ہر ایک نمود پر مٹا جاتا ہے
پتلے مٹی کے ہیں نمائش کے لئے

II. اس رباعی کا بغور مطالعہ کر کے دئے گئے سوالوں کے جواب لکھیں۔

ہر چیز مسبب سبب سے مانگو
منت سے خوشامد سے ادب سے مانگو
کیوں غیر کے آگے ہاتھ پھیلاتے ہو
بندے ہو اگر رب کے تو رب سے مانگو

1. اللہ کو مسبب سبب کیوں کہا جاتا ہے؟
2. اس رباعی میں شاعر کس بات کی اہمیت کو اجاگر کر رہا ہے؟
3. ہمیں رب سے ہی کیوں مانگنا چاہئے؟
4. خدا سے مانگنے کا کیا طریقہ ہونا چاہئے؟
5. ہاتھ پھیلانے سے شاعر کی کیا مراد ہے؟

II۔ زبان شناسی

لفظیات

خط کشیدہ الفاظ کے صحیح معنی کا انتخاب کر کے علامت A/B/C/D کو قوسین میں لکھیں۔

1. شمع کی لو نے اندھیرے کو بڑی حد تک کم کر دیا ( )

(A) شعلہ (B) شبنم (C) گرمی (D) حرارت

2. انسان کو ہمیشہ مضر عادتوں سے پرہیز کرنا چاہئے۔ ( )

(A) سودمند (B) نقصان دہ (C) فائدہ مند (D) تکلیف دہ

3. آج کل علم نجوم کے ماہرین کی بہت کمی ہے۔ ( )

(A) جادو (B) سحر (C) ستارے (D) کہکشاں

4. ایسے راستے پر نہ چلو جہاں ذلت ورسوائی کے علاوہ کچھ نہ ملے۔ ( )

(A) توصیف (B) تکریم (C) تعظیم (D) بدنامی

5. غوطہ خور سمندر کی گہرائی سے گوہر نکال لاتا ہے۔ ( )

(A) مچھلی (B) موتی (C) سیپی (D) مونگے

III۔ اظہار مافی الضمیر ۔تخلیقی اظہار

خودلکھنا۔

(الف) ذیل میں دئے گئے سوالوں کے جواب 5 تا 6 جملوں میں لکھیے۔

1. دنیا میں حقیقی عزت کیسے حاصل کی جاسکتی ہے؟
2. ''ہر قفل میں یہ کلید ٹھیک آتی ہے'' اس مصرعہ کی وضاحت کریں۔
3. دین ودنیا کی بربادی سے بچنے کا اکبر نے کیا طریقہ بتلایا ہے؟
4. اکبر کے کلام کی خصوصیات پر روشنی ڈالئے۔

(ب) ذیل میں دئے گئے سوالوں کے جواب 10 تا 12 جملوں میں لکھیے۔

1. اللہ کا نور اور جلوہ آپ کو کن کن چیزوں میں نظر آتا ہے؟ تفصیل سے لکھئے۔
2. خودستائی اور نام ونمود جیسی بری عادتوں کو اپنانے سے ہمیں کیا نقصان پہنچتا ہے؟

(ج) تخلیقی اظہار میں لکھیے۔

1. سماج میں محنت سے متعلق شعور بیداری کے لئے ایک پوسٹر تیار کیجئے۔

فرہنگ

اہل غیرت	=	اعلیٰ ظرف رکھنے والے لوگ
آہ	=	افسوس کرنا
تشخص	=	امتیاز/ممتاز
تصنع	=	بناوٹ/دکھاوا
تگ ودو	=	تلاش/جستجو
تسکین	=	آرام/اطمینان
تصور	=	دھیان/مراقبہ
دھن	=	شوق/سرگرمی
ذلت	=	رسوائی/بدنامی
سرو	=	مشہور درخت جو سیدھا مخروطی شکل کا ہوتا ہے
ضو	=	نور/چمک
عقبیٰ	=	آخرت/انجام
کلید	=	کنجی
گوہر	=	موتی/قیمتی پتھر
لو	=	شعلہ/دھیان/توجہ
مسبح	=	تسبیح کرنے والا
مضر	=	نقصان پہنچانے والے
نجوم	=	نجم کی جمع/ستارے
نمود	=	ظاہری خوبی/شان وشوکت

5. خانہ باغ کا منظر

میر حسنؔ

مقصد

مثنوی ''سحرالبیان'' آج تک اردو کی سب سے بہترین مثنوی مانی جاتی ہے۔''خانہ باغ کا منظر'' مثنوی سحرالبیان سے لیا گیا ایک حصہ ہے۔اس مثنوی میں اس دور کی زندگی، طرز معاشرت، رسوم ورواج، شادی بیاہ اور زیورات وغیرہ کا بڑی خوبی سے ذکر کیا گیا ہے جس سے اس زمانے کی لکھنوی معاشرہ کی جیتی جاگتی تصویر ابھر کر سامنے آتی ہے۔اس زمانے کی تہذیب ومعاشرت کو اجاگر کرنا اور صنف مثنوی سے طلبہ کو واقف کرانا ہی اس سبق کا مقصد ہے۔

صنف کی تعریف وماخذ

''مثنوی'' عربی زبان کے لفظ ''مثنیٰ'' سے بنا ہے۔جس کے معنی دو کے ہیں۔اصطلاح شاعری میں ایسی مسلسل نظم جس کے ہر شعر میں دونوں مصرعے ہم قافیہ ہوں اور ہر دوسرے شعر میں قافیہ بدل جائے مثنوی کہلاتی ہے۔مثنوی میں کوئی قصہ یا واقعہ تسلسل کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے۔داستان کی طرح اس میں مافوق الفطرت عناصر جیسے جن، دیو، پری وغیرہ کا ذکر ہوتا ہے۔کچھ مثنویاں اتنی لمبی ہوتی ہیں کہ مکمل کتاب بن جاتی ہیں۔مثنوی میں اشعار کی تعداد کا تعین نہیں ہوتا۔

اس نظم کا تعلق شعری صنف مثنوی سے ہے۔''خانہ باغ کا منظر'' مثنوی سحرالبیان سے لیا گیا ایک حصہ ہے۔جس کے شاعر میر حسنؔ ہیں۔

شاعر کا تعارف

میر غلام حسنؔ اصل نام اور حسنؔ تخلص، 1736 میں دہلی میں پیدا ہوئے۔میر حسنؔ کی تعلیم وتربیت والد کی نگرانی میں ہوئی۔بچپن سے شاعری کی طرف میلان تھا۔میر حسن فطرتاً نہایت خوش مزاج اور بذلہ سنج تھے۔ان کا شاہکار ان کی مثنوی ''سحرالبیان'' ہے۔انہوں نے گیارہ مثنویاں لکھیں لیکن ''مثنوی سحرالبیان'' نے سب سے زیادہ شہرت حاصل کی۔مثنویوں کے علاوہ میر حسنؔ کا ایک دیوان بھی موجود ہے۔جس میں غزل مخمس، ترکیب بند تقریباً تمام اصناف سخن ملتے ہیں۔ان کی غزلوں میں صفائی، برجستگی اور محاورہ کی چستی پائی جاتی ہے۔میر حسن کی وفات 24/اکتوبر 1786 کو لکھنو میں ہوئی۔

ابتدائیہ

میر حسنؔ نے مثنوی سحر البیان میں شہزادہ بے نظیر اور شہزادی بدر منیر کے عشق کی داستان بیان کی ہے۔ کہانی کچھ یوں شروع ہوتی ہے کہ ایک بادشاہ تھا جسے دنیا کا ہر عیش حاصل تھا لیکن وہ اولاد کی نعمت سے محروم تھا اس لیے وہ کافی مایوس ہو گیا تھا۔ اس نے دنیا کا عیش و آرام ترک کر کے گوشہ نشینی اختیار کرنے کی ٹھانی۔ اس نے نجومیوں اور جوتشیوں کو بلا کر مشورہ کیا۔ نجومیوں نے بادشاہ کے یہاں اولاد ہونے کی پیشن گوئی کی اور یہ بھی بتایا کہ شہزادہ اپنی عمر کے ابتدائی بارہ سال چھت پر نہ جائے۔ محل کے اندر سے باہر نہ نکلے ورنہ کچھ عرصہ کے لیے اسے مصائب کا سامنا کرنے پڑے گا۔ نجومیوں کی پیشن گوئی صحیح ثابت ہوئی۔ بادشاہ کے یہاں ایک خوبصورت بیٹا پیدا ہوا۔ اس کا نام ''بے نظیر'' رکھا گیا۔ جب شہزادے کی عمر 12 سال ہونے کو آئی تو ایک دن شہزادے کو نہلا کر نئے کپڑے پہنائے گئے گھوڑے پر سوار کیا۔ بادشاہ، امیر، وزیر اور ہزاروں لوگ ساتھ چلے شہر سے باہر بادشاہ نے شہزادے کے لیے ایک باغ بنوایا تھا۔ اس باغ کا نام ''خانہ باغ'' تھا۔ اس دلکش باغ کے اندرونی حصہ کو کس طرح سجایا سنوارا گیا تھا آیئے ہم اس نظم میں پڑھتے ہیں۔

I

دیا شہ نے ترتیب اک خانہ باغ
ہوا رشک سے جس کے لالہ کو داغ

عمارت کی خوبی دروں کی وہ شان
لگے جس میں زر بفت کے سائبان

چھتیں اور پردے بندھے زر نگار
دروں پہ کھڑی دست بستہ بہار

کوئی ڈور سے در پہ اٹکا ہوا
کوئی زہ پہ خوبی سے لٹکا ہوا

وہ مقیش کی ڈوریاں سر بسر
کہ مہہ کا بندھا جس میں تار نظر

چھتوں کا تماشا تھا آنکھوں کا حال
نگہ کو وہاں سے گزرنا محال

سنہری مغرق چھتیں ساریاں
وہ دیوار اور درکی گل کاریاں

دیے ہر طرف آئینے جو لگا
گیا چوگنا لطف اس میں سما

وہ مخمل کا فرش اس کا ستھرا کہ بس
بڑھے جس کے آگے نہ پائے ہوس

رہیں لخلخے اس میں روشن مدام
معطر شب و روز جس سے مشام

چھپر کھٹ مرصع کا دالان میں
چمکتا تھا اس طرح ہر آن میں

زمین پر تھی اس طور اس کی جھمک
ستاروں کی جیسے فلک پر چمک

زمیں کا کروں اس کی کیا میں بیاں
کہ صندل کا رک پارچہ تھا عیاں

بنی سنگ مرمر کی چوپڑ کی نہر
گئی چار سو اس کے پانی کی لہر

قرینے سے گرد اس کے سرو سہی
کچھ دور تھے اس سے سیب و بہی

ہوا سے بہادری سے گل لہلہے
چمن سارے شاداب اور تھے بھرے

سوچیے۔بولیے

1۔ باغ کس طرح سجایا گیا تھا؟
2۔ باغ کے فرش، دالان اور نہر کی خوبصورتی کو اپنے الفاظ میں بیان کیجئے۔

II

زمرد کے مانند سبزے کا رنگ
روش پر جواہر لگا جیسے سنگ

روش کی صفائی پہ بے اختیار
گل اشرفی نے کیا زر نثار

چمن سے بھرا باغ گل سے چمن
کہیں نرگس و گل کہیں یاسمن

چنبیلی کہیں اور کہیں موتیا
کہیں رائے بیل اور کہیں موگرا

کھڑے شاخ شبو کے ہر جانشاں
مدن بان کی اور ہی آن بان

کہیں ارغوان اور کہیں لالہ زار
جدی اپنے موسم ہیں سب کی بہار

کہیں جعفری اور گیندا کہیں
سماں شب کو داؤدیوں کا کہیں

عجب چاندنی میں گلوں کی بہار
ہر اک گل سفیدی سے مہتاب وار

کھڑے سرو کی طرح چمپے کے جھاڑ
کہے تو کہ خوشبوئیوں کے پہاڑ

کہیں زرد نسریں کہیں نسترن
عجب رنگ کے زعفرانی چمن

پڑے آب جو ہر طرف کو بہے
کریں قمریاں سرو پر چہچہے

گلوں کا لب نہر پر جھومنا
اسی اپنے عالم میں منہ چومنا

وہ جھک جھک کے گرنا خیابان پر
نشے کا سا عالم گلستان پر

سوچیے ۔بولیے

1۔ باغ کو سجانے کے لیے مختلف پھولوں کا استعمال ہوا ہے۔وہ پھول کون کون سے ہیں؟
2۔ چاندنی رات میں باغ کا منظر کیسا لگ رہا تھا؟

خلاصہ

کسی شہر میں ایک دولت مند بادشاہ تھا جس کی رعایا بے حد خوش حال تھی۔خدا نے بادشاہ کو تمام نعمتوں سے سرفراز رکھا تھا لیکن وہ اولاد کی نعمت سے محروم تھا ایک دن مایوسی کی حالت میں اس نے اپنے وزیروں کو طلب کیا اور دنیا کو ترک کر کے فقیری اختیار کرنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ وزیروں نے اسے صلاح دی کہ نجومیوں اور جوتشیوں کو طلب کر کے بادشاہ کی قسمت کا حال دریافت کیا جائے۔انہوں نے بادشاہ کو خبر دی کہ عنقریب بادشاہ کے یہاں بیٹا پیدا ہوگا اور اس بات سے بھی خبردار کیا کہ بارہواں سال اس فرزند کے لئے انتہائی خطرہ کا باعث ثابت ہوگا۔نجومیوں نے بادشاہ کو مشورہ دیا کہ شہزادہ کی پیدائش کے بعد اسے حفاظت سے رکھا جائے اور بالا خانے پر اسے کبھی نہ جانے دیا جائے۔چنانچہ اسی سال شہزادہ کی پیدائش ہوئی۔جس کا نام

بے نظیر رکھا گیا۔ اور اس طرح مایوس بادشاہ کی زندگی میں خوشیاں لوٹ آئیں۔ بڑے اہتمام سے شہزادہ بے نظیر کی پرورش ہوتی رہی جب شہزادہ بارہ برس کا ہوا تو بادشاہ نے شان دار پیمانے پر شہزادہ کی سالگرہ کی تقریب منائی۔ شہزادہ کی سیر کے لیے ایک خوشنما باغ تیار کیا گیا۔ باغ کی خوبصورتی اور دلکشی کو دیکھ کر ہر ایک کو شہزادہ کی قسمت پر رشک ہونے لگا۔ باغ کی عمارت کی خوبی یہ تھی کہ اس کے اندرونی حصہ میں زربفت کے سائبان لگے تھے۔ اس عمارت کی چھتیں سنہری تھی اور پردوں پر بھی سنہری کام کیا ہوا تھا۔ اس خوب صورت باغ کو دیکھ کر ایسا لگ رہا تھا جیسے بہار دست بستہ دروازے پر کھڑی ہو۔ باغ کو منقش ڈوریوں سے اس طرح سجایا گیا تھا جیسے چاند کو تاروں سے باندھ دیا گیا ہو۔ یہ منظر آنکھوں کو خیرہ کر رہا تھا۔ چھتیں، دیوار و در سنہری رنگ میں ڈوبے ہوئے تھے۔ آئینوں اور دیوں کی سجاوٹ وہاں کے منظر میں چار چاند لگا رہی تھی۔ مخمل کا فرش بچھا تھا۔ وہاں کی فضاء معطر اور مختلف قسم کی خوشبوؤں سے مہکی ہوئی تھی۔ دالان جڑاؤ موتی اور جواہرات سے چمک رہا تھا۔ جواہرات کی چمک پر ستاروں کا گمان ہو رہا تھا۔ نہر سنگ مرمر کی بنی تھی۔ باغ کو اس قرینے سے سجایا گیا تھا کہ اس کے اردگرد نہایت خوبصورت درخت جیسے سرو، سیب، بہی اور شاداب چمن لہلہا رہے تھے۔

باغ کا فرش زمرد کی مانند تھا اور روش نہایت خوبصورت پھولوں سے سجائی گئی تھی۔ ان پھولوں میں نرگس، یاسمین، چنبیلی، موتیا، رائے بیل، موگرا، مدن بان، ارغوان، لالہ زار، جعفری، گیندا سبھی اپنی اپنی بہار دکھا رہے تھے۔ چاندنی میں گل داؤدی زر نچھاور کر رہے تھے۔ چاند کی روشنی ان پھولوں پر نچھاور ہو رہی تھی۔ چمپے کے درخت خوشبوؤں کے پہاڑ کی طرح کھڑے تھے۔

زرد رنگ کے پھول، نسرین، نسترن اور زعفرانی چمن دور دور تک پھیلے ہوئے تھے۔ اس خوشنما منظر کو دیکھ کر سرو کے درخت پر بیٹھی قمریاں چہچہا رہی تھیں۔ گل نہر پر جھوم رہے تھے اور پھلواریاں ہوا سے جھوم رہی تھیں۔ غرض ان سارے خوبصورت مناظر سے گلستان پر ایک نشے کا سا عالم چھایا ہوا تھا۔

آیئے لسانی استعداد حاصل کریں۔

I۔ سمجھنا، اظہار خیال کرنا

(الف) ذیل میں دیے گئے اشعار کو پڑھ کر نیچے دیے گئے سوالوں کے جواب لکھئے۔

دیا شہ نے ترتیب اک خانہ باغ — ہوا رشک سے جس کے لالہ کو داغ
عمارت کی خوبی دروں کی وہ شان — لگے جس میں زر بفت کے سائبان
چھتیں اور پردے بندھے زر نگار — دروں پہ کھڑی دست بستہ بہار
کوئی ڈور سے در پہ اٹکا ہوا — کوئی زہ پہ خوبی سے لٹکا ہوا
وہ مقیش کی ڈوریاں سر بسر — کہ مہہ کا بندھا جس میں تار نظر
چھتوں کا تماشا تھا آنکھوں کا حال — نگہ کو وہاں سے گزرنا محال
سنہری مغرق چھتیں ساریاں — وہ دیوار اور درکی گل کاریاں
دیے ہر طرف آئینے جو لگا — گیا چوگنا لطف اس میں سما

سوالات:

1۔ ''خانہ باغ'' کی خوبصورتی کو دیکھ کر کون رشک کرنے لگے؟
2۔ باغ کی عمارت کی خوبی کیا تھا؟
3۔ باغ کو منقش ڈوریوں سے کس طرح سجایا گیا تھا؟
4۔ چھتوں اور پردوں کی خوبصورتی پر کیا گمان ہو رہا تھا؟
5۔ باغ کی رونق میں کس کی وجہ سے چار گنا لطف سمایا تھا؟

(ب) مندرجہ ذیل اشعار کی بحوالہ متن تشریح کیجئے۔

زمین پر تھی اس طور اس کی جھمک
ستاروں کی جیسے فلک پر چمک
روش کی صفائی پہ بے اختیار
گل اشرفی نے کیا زور نثار
چمن سے بھرا باغ گل سے چمن
کہیں نرگس و گل کہیں یاسمین

II۔ زبان شناسی

لفظیات

(الف) دیے گئے الفاظ کو پڑھیے اور غیر متعلقہ لفظ کو قوسین میں لکھئے۔

III۔ اظہار مافی الضمیر / تخلیق اظہار

(الف) ذیل میں دئے گئے سوالوں کے جواب 5 تا 6 جملوں میں لکھیے۔

1۔ نجومیوں نے شہزادے کے بارے میں بادشاہ کو کیا رائے دی تھی؟

2۔ خانہ باغ کو سجانے میں کن کن پھولوں کا استعمال کیا گیا تھا؟

3۔ نہر کس پتھر سے بنائی گئی تھی اور اس کے چاروں طرف کیسا نظارہ تھا؟

4۔ میر حسنؔ کے بارے میں مختصر نوٹ لکھئے۔

(ب) ذیل میں دئے گئے سوالوں کے جواب 10 تا 12 جملوں میں لکھیے۔

1۔ باغ کے اندرونی حصہ کو کس طرح سجایا سنوارا گیا تھا؟ تفصیل سے لکھئے۔

2۔ مثنوی ''خانہ باغ کا منظر'' کا خلاصہ اپنے الفاظ میں لکھئے۔

(ج) تخلیقی انداز میں لکھیے۔

1۔ ہریتا ہرم (شجر کاری پروگرام) میں اپنے علاقے کے ایم ایل اے کو مدعو کرنے کے لئے ایک دعوت نامہ تیار کیجئے۔

فرہنگ

ارغوان	=	سرخ رنگ کے پھول کا نام
بہی	=	ایک پھل جو سیب سے مشابہ ہے
پارچہ	=	کپڑا، لباس
جدی	=	قطبی تارا
جعفری	=	ایک قسم کا پھول
چوپڑ	=	چوسر پچیسی، چوسر کی بساط
خیاباں	=	پھلواری / کیاری
داؤدیوں	=	ایک پودا جس کا پھول گل داؤدی کہلاتا ہے
دروں	=	اندرونی حصہ

رشک = حسد

زرنگار = وہ چیز جس پر سنہرا کام کیا ہو

زربفت = کمخواب۔ایک کپڑا جو سونے اور ریشم کے تاروں سے بنتے ہیں۔

زمرد = سبز رنگ کا قیمتی پتھر

سائبان = مکان یا خیمہ کے آگے دھوپ اور بارش سے بچنے کے لئے لگایا جانے والا چھپر

سنگ = پتھر

شہ = بادشاہ

فلک = آسمان

قرینے = سلیقے، ڈھنگ، ترتیب سے

قمریاں = فاختہ کی قسم کا ایک پرندہ

گلستان = باغ۔چمن

گل اشرفی = ایک قسم کا گول پھول

گل کاریاں = نقاشی، بیل بوٹے کا کام

گیندا = ایک قسم کا پھول

لالہ زار = وہ کھیت جس میں لالے کے بوٹے ہوں رگلزار۔باغ

لخلخے = چند خوشبودار چیزوں کا مجموعہ

محال = ناممکن

مقیش = زری، سونے چاندی کے تاروں سے بنا ہوا کپڑا

مہہ = چاند، قمر

مدام = ہمیشہ، سدا

معطر = خوشبودار، مہکتا ہوا

مشام = سونگھنے کی قوت

مرصع = جڑاؤ موتی، جواہرات جڑا ہوا

مہتاب = چاند

نگہ = نظر، آنکھ

نسریں = سیوتی کا پھول

نسترن = ایک قسم کا پھول

6. بنجارہ نامہ

نظیر اکبر آبادی

مقصد

گیت ''بنجارہ نامہ'' کے ذریعہ نظیر اکبر آبادی نے دنیا کی بے ثباتی کو اجاگر کیا ہے۔ زندگی کی حقیقت' موت کی قہرمانی اور انسان کی حقیقت پر روشنی ڈالتے ہوئے نظیر نے تمثیلی اور ناصحانہ انداز اختیار کیا ہے۔ ان کی باتوں سے مایوسی اور افسردگی کے بجائے ہمارے دلوں میں ایک طرح کی رجائی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور ہم زندگی سے آگاہی حاصل کر کے نئے حوصلے کے ساتھ کاروبار زندگی میں منہمک ہو جاتے ہیں۔

صنف کی تعریف و ماخذ

گیت بنیادی طور پر غزل کی طرح ایک داخلی اور غنائی صنف سخن ہے۔ اس میں شخصی اور دلی جذبات کا اظہار ہوتا ہے۔ عام طور پر گیت کے موضوع عشق اور محبت کے مضامین ہوتے ہیں۔ دور جدید نے اس کے موضوعات کو کافی وسعت دی ہے اور اس میں سیاسی' سماجی معاشی و معاشرتی موضوعات کو بھی شامل کیا گیا ہے۔ گیت میں کئی بند ہوتے ہیں۔ ہر بند کے بعد گیت کا پہلا مصرعہ یا اس میں مصرعہ کا ایک حصہ دہرایا جاتا ہے۔ اس کو ''ٹیپ کا مصرع'' کہا جاتا ہے۔ گیت میں عموماً چار یا پانچ بند ہوتے ہیں۔ اور ان میں تسلسل کے ساتھ ایک ہی خیال یا جذبے کا اظہار ہوتا ہے۔ عموماً اس کی بنیاد بحروں یعنی چھندوں پر رکھی جاتی ہے۔

اردو میں گیت کی روایت بہت قدیم ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس کا آغاز امیر خسرو سے ہوتا ہے۔ قلی قطب شاہ' ملا وجہی اور ولی دکنی نے بھی گیت لکھے ہیں۔ نظیر اکبر آبادی کو ایک خاص مقام حاصل ہے۔ نظیر نے گیت نما نظمیں لکھ کر اردو ادب کے سرمایے میں اضافہ کیا ہے۔ گیت ''بنجارہ نامہ''، ''کلیات نظیر'' سے لیا گیا ہے۔

شاعر کا تعارف

ولی محمد نام اور نظیر تخلص تھا۔ والد کا نام محمد فاروق تھا۔ نظیر 1730 اور 1735ء کے درمیان دہلی میں پیدا ہوئے۔ احمد شاہ ابدالی نے جب دلی پر لگاتار حملے کئے تو اسی پر آشوب' صبر آزما اور وحشت خیز انقلابی دور میں نظیر دلی سے آگرہ چلے آئے اور یہیں کے ہو کر رہ گئے۔ اسی لئے اکبر آبادی کہلائے۔ نظیر نے ایک طویل عمر پا کر 1830ء میں انتقال کیا۔ نظیر نے اپنی شاعری میں عوامی رنگ اور سماج کے دبے کچلے اور نچلے طبقے کے لوگوں کی زندگی کے مسائل کو تلاش کر کے پیش کیا۔ انہوں نے اپنے کلام میں سماجی' اخلاقی' اصلاحی اور تہذیبی مضامین و موضوعات کا احاطہ کیا۔ ان کی شاعری میں ہندوستانی عناصر کی جھلکیاں حد درجہ نمایاں ہیں۔ نظیر کی شاعری میں ہندوستانیت کی اسی گہرے رچاؤ نے انہیں عوامی مقبولیت کا تاج پہنایا۔ آدمی نامہ' برسات نامہ' بنجارہ نامہ' نصیحت نامہ' موت نامہ' پیسے نامہ اور ہرن نامہ' نظیر اکبر آبادی کی مشہور نظمیں ہیں۔

ابتدائیہ

''بنجارہ نامہ'' نظیر اکبرآبادی کی شاعری کا شاہکار ہے' یہ بہت ہی متاثر کن گیت ہے جسے بہت ہی مترنم اور رواں بحر میں لکھا گیا ہے۔ نظیر نے اس گیت میں انسان کو بنجارے سے تشبیہ دی ہے۔ یعنی جس طرح بنجارہ یا خانہ بدوش کا کوئی مستقل ٹھکانہ نہیں ہوتا اسی طرح انسان کا بھی اس دنیا میں کوئی مستقل ٹھکانہ نہیں ہے وہ ایک بنجارہ ہے۔ جب موت آئے گی تو رشتے روپیہ' دھن' دولت اور جاگیریں کچھ کام نہیں آئیں گی' سب کو چھوڑ کر جانا ہوگا۔

''بنجارہ نامہ'' میں حقیقت بیانی' سوز و گداز کے ساتھ ساتھ عوامی گیت کی دلکشی بھی موجود ہے۔ آیئے نظیر نے موضوع کے مطابق زبان اور لب و لہجہ کا استعمال اس گیت میں کس طرح کیا ہے جانتے ہیں۔

I

ٹک حرص و ہوا کو چھوڑ میاں مت دیس بدیس پھرے مارا
قزاق اجل کا لوٹے ہے دن رات بجا کر نقارا
کیا بدھیا بھینسا بیل شتر کیا گوئیں پلا سر بھار
کیا گیہوں چانول موٹھ مٹر کیا آگ دھواں کیا انگارا
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جائے گا جب لاد چلے گا بنجارا

گر تو ہے لکھی بنجارا اور کھیپ بھی تیری بھاری ہے
اے غافل تجھ سے بھی چڑھتا اک اور بیوپاری ہے
کیا شکر مصری قند گری کیا سانبھر میٹھا کھاری ہے
کیا داکھ منقیٰ سونٹھ مرچ کیا کیسر لونگ سپاری ہے
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جائے گا جب لاد چلے گا بنجارا

سوچیے ۔ بولیے

1. قزاق اجل سے شاعر کی کیا مراد ہے؟
2. شاعر نے انسان کو غافل کیوں کہا ہے؟

II

جب چلتے چلتے رستے میں یہ گون تیری رہ جاوے گی
اک بدھیا تیری مٹی پر پھر گھاس نہ چرنے آوے گی
یہ کھیپ جو تو نے لادی ہے سب حصوں میں بٹ جاوے گی
دھی پوت جنوائی بیٹا کیا بنجارن پاس نہ آوے گی
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارا

کچھ کام نہ آوے گا تیرے یہ لعل و زمرد سیم و زر
جب پونجی باٹ میں بکھرے گی ہر آن بنے گی جان اوپر
نوبت نقارے بان نشان دولت حشمت فوجیں لشکر
کیا مسند تکیہ ملک مکاں کیا چوکی کرسی تخت چھتر
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارا

سوچیے ۔ بولیے

1. مرنے کے بعد انسان کے مال و دولت کا کیا حال ہوگا؟
2. انسان کی اصل جمع پونجی کیا ہے جو مرنے کے بعد بھی اس کا ساتھ دیں گے؟

III

کیوں جی پر بوجھ اٹھاتا ہے ان گونوں بھاری بھاری کے
جب موت کا ڈیرا آن پڑا بھردونے ہیں بیوپاری کے
کیا ساز جڑاؤ زر زیور کیا گوئے تھان کناری کے
کیا گھوڑے زین سنہری کے کیا ہاتھی لال عماری کے
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارا

سوچیے ۔بولیے

1. کسی کے ٹھاٹھ کا اندازہ کن باتوں سے لگایا جاسکتا ہے؟
2. موت کے وقت ایک بیوپاری کے مال وزر کی کیا قدر و قیمت ہوگی؟

خلاصہ

''بنجارہ نامہ'' میں شاعر نے دنیا کی بے ثباتی اور انسان کی فانی زندگی کا حال صداقت کے ساتھ بیان کیا ہے۔شاعر انسان سے مخاطب ہے اور کہتا ہے کہ دنیا اور دنیاوی مال و دولت کی حرص اور لالچ میں شہروں شہروں اور ملکوں ملکوں پھرنا مناسب نہیں ہے کیونکہ موت ہمیشہ تمہارا تعاقب کررہی ہے۔جب موت آتی ہے تو انسان' بیل' بھینس سب کو اپنا شکار بنالیتی ہے۔یعنی اس کے اس کسی کی اہمیت نہیں ہے۔جب موت آئے گی تو نہ کسی قسم کا اناج کام آئے گا نہ کوئی جانور ساتھ آئے گا۔ بلکہ سارا ٹھاٹ یعنی شان و شوکت' عزت و مرتبہ' عظمت و وقار سب دھرے کا دھرا رہ جائے گا اور بنجارہ یعنی انسان اس دنیائے فانی سے کوچ کر جائے گا۔

شاعر کہتا ہے کہ اے انسان تو تو لکھی بنجارہ یعنی لکھ پتی ہے لیکن جب موت آئے گی تو شکر' مصری' سانبھر' میٹھا' کھاری' سونٹھ' مرچ' لونگ' سپاری کی کوئی حیثیت نہیں رہ جائے گی۔ جب چلتے چلتے راستے میں موت آدبوچے گی تو یہ تمہاری زمین' دولت اور مال سب دھرا رہ جائے گا۔تمہاری دولت کو تمہارے بعد سب حصوں میں بانٹ لیں گے۔ بیٹا' بیٹی' داماد' اور بیوی تک تمہارے ساتھ نہیں آئے گی اور تو اور تیری قبر پر کوئی جانور بھی گھاس چرنے کو نہیں آئے گا۔ تیرے سارے رشتہ دار' پالتو جانور' ساری دولت دنیا میں ہی پڑی رہ جائے گی۔اور تو بنجارے کی طرح اس مقام سے اس مقام تک خالی ہاتھ چلا جائے گا۔

اس وقت قیمتی ہیرے اور زیورات کچھ بھی تیرے کام نہ آسکیں گے۔ تیری اصل جمع پونجی تیرے اعمال ہوں گے۔ ان کو جب تولا جائے گا تب تیری جان پر بن آئے گی۔ تب دنیاوی جاہ وحشمت اور شان وشوکت' مکان تخت وتاج سب بے معنی ہوکر رہ جائیں گے۔ یعنی سب چھوڑ چھاڑ کر تو ایک بنجارے کی طرح چلا جائے گا۔

شاعر کہتا ہے کہ اے انسان تو اپنے دل پر بوجھ لئے کیوں گھومتا ہے۔ جب موت آتی ہے تب ایک بڑا بیوپاری بھی اس کے سامنے بے بس ہوجاتا ہے۔ اس کے جڑاوی زیورات' گوٹے کناری والے پرکشش لباس' سنہری زین کے گھوڑے اور بہترین عماری اور اعلیٰ نسل کے ہاتھی سب بیکار معلوم ہوں گے۔ یعنی ان کی کوئی حیثیت باقی ہی نہیں رہ جائے گی۔ یہ سب ٹھاٹ تجھے یہیں چھوڑ کر جانا ہوگا۔

آیئے لسانی استعداد حاصل کریں۔

I۔ سمجھنا اظہار خیال کرنا

(الف) ذیل کے اشعار پڑھئے اور نیچے دی گئی عبارت میں خالی جگہوں کو مناسب الفاظ سے پر کیجئے:

کچھ کام نہ آوے گا تیرے یہ لعل و زمرد سیم و زر

جب پونجی باٹ میں بکھرے گی ہر آن بنے گی جان اوپر

نوبت نقارے بان نشان دولت حشمت فوجیں لشکر

کیا مسند تکیہ ملک مکاں کیا چوکی کرسی تخت چھتر

سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارا

اس وقت قیمتی _____' زیورات اور _____ کچھ بھی تیرے نہ آسکیں گے۔ تیری اصل جمع _____ تیرے اعمال ہوں گے ان کو تولا جائے گا تب تیری _____ پر بن آئے گی۔ تب دنیاوی _____ جاہ وحشمت' فوجیں _____' شان وشوکت' مکان تخت و _____ سب بے معنی ہوکر رہ جائیں گے سب چھوڑ چھاڑ کر تو ایک _____ کی طرح چلا جائے گا۔

II۔ زبان شناسی

لفظیات:

(الف) مندرجہ ذیل عبارت کی خالی جگہوں کو مناسب سابقے اور لاحقے سے پر کیجئے:

(نا۔ پر۔ گار۔ آرا۔ خواہ۔ کم۔ با۔ دار۔ غیر۔ پن۔ ہم۔ طلب۔ سر۔ بے۔ عدم)

اسعد اور انور دونوں دوست ہیں' _____ عمر ہونے کے ساتھ ساتھ وہ _____ جماعت بھی ہیں۔ اسعد کے مقابل انور ایک _____ ادب اور _____ اخلاق لڑکا ہے۔ سبھی لوگ اسے _____ حد پسند کرتے ہیں کیونکہ وہ ایک ذمہ _____ لڑکا ہونے کے ساتھ ساتھ پڑھائی میں پیچھے رہ جانے والے _____ زور ساتھیوں کا مدد _____ ہوتا ہے۔ جب کہ اسعد _____ دان اور _____ سخن ہے۔ وہ اکثر مدرسہ میں _____ حاضر رہتا ہے۔ لیکن کھیلوں میں کافی _____ جوش ہوتا ہے اور ہمیشہ _____ فہرست رہتا ہے۔ جماعت میں ان دونوں کی _____ موجودگی سبھی کو پریشان کر دیتی ہے۔ غور _____ بات یہ ہے کہ دونوں ایک دوسرے کے خیر _____ ہونے کے باوجود اکثر صف _____ ہو جاتے ہیں۔ دونوں کی یہی بات سب کو _____ گوار معلوم ہوتی ہے۔ شاید اسی کو لڑک _____ کہتے ہیں۔

III۔ اظہار مافی الضمیر ۔ تخلیقی اظہار

(الف) ذیل کے سوالوں کے جواب 4 تا 5 جملوں میں لکھئے:

1. شاعر نے بنجارہ کسے کہا ہے اور کیوں؟
2. شاعر نے حرص و ہوا کو چھوڑنے کا مشورہ کیوں دیا؟

3. شاعر کے مطابق انسان کی اصل جمع پونجی کیا ہے؟

4. شاعر نظیر اکبرآبادی کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟

(ب) ذیل میں دئے گئے سوالوں کے جواب 10 تا 12 جملوں میں لکھیے۔

1. ''سب ٹھاٹھ پڑا رہ جائے گا جب لاد چلے گا بنجارا'' اس مصرعے کے ذریعہ شاعر کیا کہنا چاہتا ہے؟ تفصیل سے لکھئے۔

2. گیت کا خلاصہ اپنے الفاظ میں لکھئے۔

(ج) تخلیقی انداز میں لکھیے۔

1. اپنے پسندیدہ شاعر سے انٹرویو لیجئے۔

فرہنگ

اجل	=	موت
بنجارا	=	جس کا کوئی مستقل ٹھکانہ نہ ہو
پونجی	=	دولت، خزانہ
ٹھاٹھ	=	شان وشوکت
ٹک	=	ذرا
جنوائی	=	داماد (بیٹی کا شوہر)
چھتر	=	بادشاہوں اور بزرگ ہستیوں کے سر پر سایہ کرنے والی چھتری
حرص وہوا	=	لالچ اور ہوس
زین	=	وہ ساز جس سے گھوڑے کی پیٹھ کسی جاتی ہے
سپاری	=	چھالیہ
سیم وزر	=	چاندی اور سونا
عماری	=	ہاتھی کا ہودا جو اسکی پیٹھ پر بیٹھنے کے لئے رکھتے ہیں

قزاق = ڈاکو، لٹیرا

کیسر = زعفران

گون = ٹاٹ سے بنی بوری، تھیلا

منقیٰ = بڑی کشمش

☆☆☆

1. حج اکبر

منشی پریم چند

مقصد

اس افسانے میں پریم چند نے خدمت خلق کی اہمیت پر زور دیا ہے۔ ہر انسان اپنی حیثیت کے مطابق خیر و فلاح کے کام کرتا ہے۔ بعض اوقات خدمت خلق کا درجہ رب کی بندگی سے بھی بڑھ کر ہو جاتا ہے۔ طلباء میں انسانیت کا درس اور خدمت خلق کے جذبے کو پروان چڑھانا اس سبق کا مقصد ہے۔

صنف کی تعریف و ماخذ

اس سبق کا تعلق نثری صنف ''افسانہ'' سے ہے اس کے مصنف منشی پریم چند ہیں۔

''افسانہ'' وہ قصہ جسے ایک نشست میں پڑھ لیا جائے ''افسانہ'' کہلاتا ہے۔ افسانہ لفظ ''فسوں'' سے نکلا ہے۔ جس کے معنی جادو یا جھوٹ کے ہیں۔ افسانہ اردو ادب کی سب سے مقبول صنف ہے۔ سماجی اور معاشرتی واقعات کو افسانے میں پیش کیا جاتا ہے۔

یہ افسانہ ان کے افسانوں کے مجموعہ ''پریم چند کے سو افسانے'' سے لیا گیا ہے۔

مصنف کا تعارف

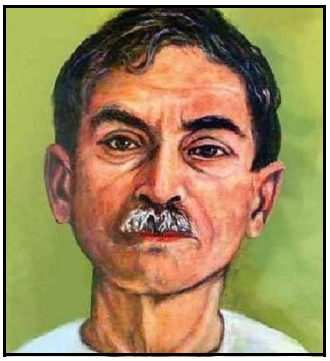

پریم چند کا اصل نام دھنپت رائے ہے۔ وہ 13 جولائی 1880 کو بنارس کے ایک گاؤں ملہی میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد منشی عجائب لال ڈاک کے محکمہ میں کلرک تھے۔ 1897ء میں جب والد کا انتقال ہوا تو وہ گھر کی ذمہ داریوں میں گھر گئے بعد میں وہ ایک سرکاری اسکول میں مدرس ہو گئے۔ پریم چند کا شمار اردو ادب کے صف اول کے افسانہ نگاروں میں ہوتا ہے۔ وہ ترقی پسند تحریک کے حامی تھے۔ ان کے افسانوں کا پہلا مجموعہ سوز وطن کے نام سے شائع ہوا۔ ان کے ناولوں میں گؤدان اور افسانوں میں کفن کافی مشہور ہوئے۔ ان کا انتقال 18/ اکتوبر 1936ء کو ہوا۔

ابتدائیہ

یہی ہے عبادت یہی دین و ایماں
کہ کام آئے دنیا میں انساں کے انساں

حضرت عبداللہ بن مسعود بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
تمام مخلوقات اللہ تعالیٰ کی عیال ہیں اور اللہ تعالیٰ کو اپنی مخلوقات میں سے وہ شخص بہت پسند ہے جو اس کی عیال یعنی مخلوق کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔ آیئے اب ہم ایک انسانیت اور خدمت خلق کی اعلیٰ مثال پیش کرنے والے افسانے کا مطالعہ کرتے ہیں جس میں دایہ عباسی جو فریضہ حج ادا کرنے کے بجائے ایک معصوم لڑکے کی عیادت اور محبت کو مقدم رکھا۔ اس سے متعلق ہم اس افسانے میں تفصیل سے جانیں گے۔

I

منشی صابر حسین کی آمدنی کم تھی اور خرچ زیادہ' اپنے بچہ کے لئے دایہ رکھنا گوارا نہیں کر سکتے تھے' لیکن ایک تو بچہ کی صحت کی فکر اور دوسرے اپنے برابر والوں سے ہیٹے بن کر رہنے کی ذلت اس خرچ کو برداشت کرنے پر مجبور کرتی تھی۔ بچہ دایہ کو بہت چاہتا تھا۔ ہر دم اس کے گلے کا ہار بنا رہتا تھا۔ اس وجہ سے دایہ اور بھی ضروری معلوم ہوتی تھی۔ مگر شاید سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ وہ مروت کے باعث دایہ کو جواب دینے کی جرأت نہ کر سکتے تھے۔ بڑھیا ان کے یہاں تین سال سے نوکر تھی۔ اس نے ان کے اکلوتے بچے کی پرورش کی تھی۔ اپنا کام دل و جان سے کرتی تھی۔ اسے نکالنے کا کوئی حیلہ نہ تھا اور خواہ مخواہ کیڑے نکالنا صابر جیسے حلیم شخص کے لیے غیر ممکن تھا۔ مگر شاکرہ اس معاملہ میں اپنے شوہر سے متفق نہ تھی۔ اسے شک تھا کہ دایہ ہم کو لوٹے لیتی ہے۔ جب دایہ بازار سے لوٹتی تو وہ دہلیز میں چھپی رہتی کہ دیکھوں آٹا چھپا کر تو نہیں رکھ دیتی۔ لکڑی تو نہیں چھپا دیتی۔ اس کی لائی ہوئی ہر چیز کو گھنٹوں دیکھتی۔ بار بار پوچھتی اتنا ہی کیوں؟ کیا بھاؤ ہے؟ کیا اتنا مہنگا ہو گیا؟ دایہ کبھی تو ان بدگمانیوں کا جواب ملائمت سے دیتی۔ لیکن جب بیگم زیادہ تیز ہو جاتیں تو وہ بھی کڑی پڑ جاتی تھی۔ قسمیں کھاتی۔ صفائی کی شہادتیں پیش کرتی۔ تردید اور حجت میں گھنٹوں لگ جاتے۔ قریب قریب روزانہ یہی کیفیت رہتی تھی اور روز یہ ڈراما دایہ کی خفیف سی اشک ریزی کے بعد ختم ہو جاتا تھا۔ دایہ کا اتنی سختیاں جھیل کر پڑے رہنا شاکرہ کے شکوک کی آبیاری کرتا تھا۔ اسے کبھی یقین نہ آتا تھا کہ یہ بڑھیا محض بچے کی محبت میں پڑی ہوئی ہے۔ وہ دایہ کو ایسے لطیف جذبہ کا اہل نہیں سمجھتی تھی۔

اتفاق سے ایک روز دایہ کو بازار سے لوٹنے میں ذرا دیر ہو گئی۔ شاکرہ بھری بیٹھی تھی۔ دایہ کو دیکھتے ہی تیور بدل کر بولی۔ ''کیا بازار میں کھو گئی تھیں؟ دایہ نے خطاوارانہ انداز میں سر جھکا لیا اور بولی ''بیوی ایک جان پہچان کی ماما سے ملاقات ہو گئی اور باتیں کرنے لگی۔''
شاکرہ جواب سے اور بھی برہم ہوئی۔ یہاں دفتر جانے کو دیر ہو رہی ہے تمہیں سیر سپاٹے کی سوجھی ہے۔ مگر دایہ

نے اس وقت دبنے میں خیریت سمجھی۔ بچہ کو گود میں لینے چلی۔ پر شاکرہ نے جھڑک کر کہا۔ ''رہنے دو۔ تمہارے بغیر بے حال نہیں ہوا جاتا۔''

دایہ نے اس حکم کی تعمیل ضروری نہ سمجھی بیگم صاحبہ کا غصہ فرو کرنے کی اس سے زیادہ کارگر کوئی تدبیر ذہن میں نہ آئی۔ اس نے نصیر کو اشارے سے اپنی طرف بلایا۔ وہ دونوں ہاتھ پھیلائے لڑکھڑاتا ہوا اس کی طرف چلا۔ دایہ نے اسے گود میں اٹھالیا۔ اور دروازہ کی طرف چلی لیکن شاکرہ باز کی طرح جھپٹی اور نصیر کو اس کی گود سے چھین کر بولی۔ ''تمہارا یہ مکر بہت دنوں سے دیکھ رہی ہوں۔ یہ تماشے کسی اور کو دکھایئے۔ یہاں طبیعت سیر ہوگئی۔''

دایہ نصیر پر جان دیتی تھی اور سمجھتی تھی کہ شاکرہ اس سے بے خبر نہیں ہے۔ اس کی سمجھ میں شاکرہ اور اس کے درمیان یہ ایسا مضبوط تعلق تھا جسے معمولی ترشیاں کمزور نہ کرسکتی تھیں۔ اسی وجہ سے باوجود شاکرہ کی سخت زبانیوں کے اسے یقین نہ آتا تھا کہ وہ واقعی مجھے نکالنے پر آمادہ ہے۔ پر شاکرہ نے یہ باتیں کچھ اس بے رخی سے کیں اور بالخصوص نصیر کو اس بے دردی سے چھین لیا کہ دایہ سے ضبط نہ ہوسکا۔ بولی ''بیوی مجھ سے کوئی ایسی بڑی خطا تو نہیں ہوئی۔ بہت ہوگا تو پاؤ گھنٹہ کی دیر ہوئی ہوگی۔ اس پر آپ اتنا جھلا رہی ہیں۔ صاف صاف کیوں نہیں کہہ دیتیں کہ دوسرا دروازہ دیکھو۔ اللہ نے پیدا کیا ہے تو رزق بھی دے گا۔ مزدوری کا کال تھوڑا ہی ہے۔''

شاکرہ: تو یہاں تمہاری کون پروا کرتا ہے۔ تمہاری جیسی مامائیں گلی گلی ٹھوکریں کھاتی پھرتی ہیں۔''

دایہ: ہاں خدا آپ کو سلامت رکھے۔ مامائیں' دائیاں بہت ملیں گی۔ جو کچھ خطا ہوئی ہو۔ معاف کیجئے گا۔ میں جاتی ہوں۔''

شاکرہ: جا کر مردانے میں اپنی تنخواہ کا حساب کرلو۔''

دایہ: ''میری طرف سے نصیر میاں کو اس کی مٹھائیاں منگوا دیجئے گا۔''

اتنے میں صابر حسین بھی باہر سے آگئے۔ پوچھا ''کیا ہے؟''

دایہ: کچھ نہیں۔ بیوی نے جواب دے دیا ہے۔ گھر جاتی ہوں۔''

صابر حسین خانگی تردادات سے یوں بچتے تھے جیسے کوئی برہنہ کانٹوں سے بچے۔ انہیں سارے دن ایک ہی جگہ کھڑے رہنا منظور تھا۔ پر کانٹوں میں پیر رکھنے کی جرأت نہ تھی۔ چیں بہ جبیں ہوکر بولے۔ ''کیا بات ہوئی؟''

شاکرہ: ''کچھ نہیں۔ اپنی طبیعت۔ نہیں جی چاہتا نہیں رکھتے۔ کسی کے ہاتھوں بک تو نہیں گئے۔''

صابر: ''تمہیں بیٹھے بٹھائے ایک نہ ایک کھچڑ سوجھتی رہتی ہے۔''

شاکرہ: ''ہاں مجھے تو اس بات کا جنون ہے۔ کیا کروں؟ خصلت ہی ایسی ہے۔ تمہیں یہ بہت پیاری ہے۔ تو لے جا کر گلے باندھو! میرے یہاں ضرورت نہیں ہے۔''

دایہ گھر سے نکلی تو اس کی آنکھیں لبریز تھیں۔ دل نصیر کے لیے تڑپ رہا تھا کہ ایک بار بچے کو گود میں لے کر پیار کرلوں۔ پر یہ حسرت لیے اسے گھر سے نکلنا پڑا۔

سوچیے۔ بولیے

1. منشی صابر حسین کم آمدنی کے باوجود دایہ رکھنے پر کیوں مجبور تھے؟
2. شاکرہ عباسی سے کیوں ناراض رہتی تھی؟
3. دایہ کے بازار سے لوٹنے میں دیر ہونے پر شاکرہ نے کیا کہا؟

II

نصیر دایہ کے پیچھے پیچھے دروازہ تک آیا لیکن جب دایہ نے دروازہ باہر سے بند کر دیا تو چل کر زمین پر لیٹ گیا۔ اور انا انا کہہ کر رونے لگا۔ شاکرہ نے چمکارا پیار کیا۔ گود میں لینے کی کوشش کی۔ مٹھائی کا لالچ دیا۔ میلہ دکھانے کا وعدہ کیا۔ اس سے کام نہ چلا تو بندر اور سپاہی اور لولو اور ہوا کی دھمکی دی۔ مگر نصیر پر مطلق اثر نہ ہوا۔ یہاں تک کہ شاکرہ کو غصہ آ گیا۔ اس نے بچہ کو وہیں چھوڑ دیا اور آ کر گھر کے دھندوں میں مصروف ہوگئی۔ نصیر کا منہ اور گال لال ہو گئے۔ آنکھیں سوج گئیں۔ آخر وہ وہیں زمین پر سسکتے سسکتے سو گیا۔

شاکرہ نے سمجھا تھا تھوڑی دیر میں بچہ رو دھو کر چپ ہو جائے گا۔ پر نصیر نے جاگتے ہی پھر انا کی رٹ لگائی۔ تین بجے صابر حسین دفتر سے آئے اور بچے کی یہ حالت دیکھی تو بیوی کی طرف قہر کی نگاہوں سے دیکھ کر اسے گود میں اٹھا لیا اور بہلانے لگے۔ آخر نصیر کو جب یقین ہو گیا کہ دایہ مٹھائی لینے گئی تو اسے تسکین ہوئی۔ مگر شام ہوتے ہی اس نے پھر چیخنا شروع کیا۔ ''انا مٹھائی لائی؟''

اس طرح دو تین دن گزر گئے۔ نصیر کو انا کی رٹ لگانے اور رونے کے سوا اور کوئی کام نہ تھا۔ وہ بے ضرر کتا جو ایک لمحہ کے لیے اس کی گود سے جدا نہ ہوتا تھا۔ وہ بے زبان بلی جسے طاق پر بیٹھے دیکھ کر وہ خوشی سے پھولا نہ سماتا تھا۔ وہ طائر بے پرواز جس پر وہ جان دیتا تھا۔ سب اس کی نظروں سے گر گئے۔ وہ ان کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھتا۔ انا جیسی جیتی جاگتی پیار کرنے والی' گود میں لے کر گھمانے والی' تھپک تھپک کر سلانے والی' گا گا کر خوش کرنے والی چیز کی جگہ ان بے جان' بے زبان چیزوں سے پر نہ ہو سکتی تھی۔ وہ اکثر سوتے سوتے چونک پڑتا اور انا انا پکار کے رونے لگتا۔ کبھی دروازہ پر جاتا اور انا انا پکار کر ہاتھوں سے اشارہ کرتا۔ گویا اسے بلا رہا ہے۔ انا کی خالی کوٹھری میں جا کر گھنٹوں بیٹھا رہتا۔ اسے امید ہوتی تھی کہ انا یہاں آتی ہوگی۔ اس

کوٹھری کا دروازہ بند پاتا تو جا کر کواڑ کھٹکھٹاتا کہ شاید انا اندر چھپی بیٹھی ہو۔ صدر دروازے کھلتے سنتا تو انا انا کہہ کر دوڑتا۔ سمجھتا کہ انا آ گئی۔ اس کا گدرایا ہوا بدن گھل گیا۔ گلاب کے سے رخسار سوکھ گئے۔ ماں اور باپ دونوں اس کی موہنی ہنسی کے لیے ترس ترس کر رہ جاتے۔ اگر بہت گدگدانے اور چھیڑنے سے ہنستا بھی تو ایسا معلوم ہوتا دل سے نہیں محض دل رکھنے کے لیے ہنس رہا ہے۔ اسے اب دودھ سے رغبت تھی نہ مصری سے، نہ میوہ سے، نہ میٹھے بسکٹ سے، نہ تازی امرتیوں سے۔ ان میں مزہ تھا جب انا اپنے ہاتھوں سے کھلاتی تھی۔ اب ان میں مزہ نہ تھا۔ دو سال کا ہونہار لہلہاتا ہوا شاداب پودا مرجھا کر رہ گیا۔ وہ لڑکا جسے گود میں اٹھتے ہی نرمی، گرمی اور وزن کا احساس ہوتا تھا۔ اب استخواں کا ایک پتلا رہ گیا تھا۔ شاکرہ بچہ کی یہ حالت دیکھ دیکھ کر اندر ہی اندر کڑھتی اور اپنی حماقت پر پچھتاتی۔ صابر حسین جو فطرتاً خلوت پسند آدمی تھے۔ اب نصیر کو گود سے جدا نہ کرتے تھے۔ اسے روز ہوا کھلانے جاتے، نت نئے کھلونے لاتے، پر مرجھایا ہوا پودا کسی طرح نہ پنپتا تھا۔ دایہ اس کی دنیا کا آفتاب تھی۔ اس قدرتی حرارت اور روشنی سے محروم ہو کر سبزہ کی بہار کیوں کر دکھاتا؟ دایہ کے بغیر اسے چاروں طرف اندھیرا، سناٹا نظر آتا تھا۔ دوسری انا تیسرے ہی دن رکھ لی تھی۔ پر نصیر اس کی صورت دیکھتے ہی منہ چھپا لیتا تھا گویا وہ کوئی دیو نی یا بھتنی ہے۔

عالم وجود میں دایہ کو نہ دیکھ کر نصیب اب زیادہ تر عالم خیال میں رہتا۔ وہاں اس کی اپنی انا چلتی پھرتی نظر آتی تھی۔ اس کی وہی گود تھی۔ وہی محبت، وہی پیاری باتیں، وہی پیارے پیارے گیت، وہی مزے دار مٹھائیاں، وہی سہانا سنسار، وہی دلکش لیل و نہار، اکیلے بیٹھے انا سے باتیں کرتا۔ انا کتا بھونکے۔ انا گائے دودھ دیتی۔ انا اجلا اجلا گھوڑا دوڑتا۔ سویرا ہوتے ہی لوٹا لے کر دایہ کی کوٹھری میں جاتا اور کہتا۔ ''انا پانی پی۔'' دودھ کا گلاس لے کر اس کی کوٹھری میں رکھ آتا اور کہتا۔ ''انا دودھ پلا۔'' اپنی چارپائی پر تکیہ رکھ کر چادر سے ڈھانک دیتا اور کہتا۔ ''انا سوتی'' شاکرہ کھانے بیٹھتی تو رکابیاں اٹھا اٹھا انا کی کوٹھری میں لے جاتا اور کہتا ''انا کھانا کھائے گی'' انا اس کے لئے اب ایک آسمانی وجود تھی جس کی واپسی کی اسے مطلق امید نہ تھی۔ وہ محض گزشتہ خوشیوں کی دلکش یادگار تھی جس کی یاد ہی اس کا سب کچھ تھی۔ نصیر کے انداز میں رفتہ رفتہ طفلانہ شوخی اور بیتابی کی جگہ ایک حسرت ناک توکل، ایک مایوسانہ خوشی نظر آنے لگی۔ اس طرح تین ہفتے گزر گئے۔ برسات کا موسم تھا۔ کبھی شدت کی گرمی، کبھی ہوا کے ٹھنڈے جھونکے، بخار اور زکام کا زور تھا۔ نصیر کی نقاہت اس موسمی تغیرات کو برداشت نہ کر سکی۔ شاکرہ احتیاطاً اسے فلالین کا کرتا پہنائے رکھتی۔ اسے پانی کے قریب نہ جانے دیتی۔ ننگے پاؤں ایک قدم نہ چلنے دیتی۔ مگر رطوبت کا اثر ہو ہی گیا۔ نصیر کھانسی اور بخار میں مبتلا ہو گیا۔

صبح کا وقت تھا۔ نصیر چارپائی پر آنکھیں بند کیے پڑا تھا۔ ڈاکٹروں کا علاج بے سود ہو رہا تھا۔ شاکرہ چارپائی پر بیٹھی اس کے سینے پر تیل کی مالش کر رہی تھی اور صابر حسین صورت غم بنے ہوئے بچہ کو پر درد نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ اس طرف وہ شاکرہ سے بہت کم بولتے تھے۔ انہیں اس سے ایک نفرت سی ہو گئی تھی۔ وہ نصیر کی اس بیماری کا سارا الزام اسی کے سر رکھتے تھے۔ وہ ان کی نگاہوں میں نہایت کم ظرف، سفلہ مزاج، بے حس عورت تھی۔

شاکرہ نے ڈرتے ڈرتے کہا۔ ''آج بڑے حکیم صاحب کو بلا لیتے۔ شاید انہیں کی دوا سے فائدہ ہو۔'' صابر حسین نے کالی گھٹاؤں کی طرف دیکھ کر ترشی سے جواب دیا۔

''بڑے حکم نہیں۔ لقمان بھی آئیں تو اسے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔''

شاکرہ: ''تو کیا اب کسی کی دوا ہی نہ ہوگی؟''

صابر: ''بس اس کی ایک ہی دوا ہے اور وہ نایاب ہے۔''

شاکرہ: ''تمہیں تو وہی دھن سوار ہے۔ کیا عباسی امرت پلا دے گی؟''

صابر: ''ہاں وہ تمہارے لیے چاہے زہر ہو۔ لیکن بچے کے لیے امرت ہی ہوگی۔''

شاکرہ: ''میں نہیں سمجھتی کہ اللہ کی مرضی میں اسے اتنا دخل ہے۔''

صابر: ''اگر نہیں سمجھتی ہو اور تب تک نہیں سمجھا تو روؤ گی۔ بچے سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔''

شاکرہ: ''چپ بھی رہو۔ کیسا شگون زبان سے نکالتے ہو اگر ایسی جلی کٹی سنانی ہے تو یہاں سے چلے جاؤ۔''

صابر: ''ہاں تو میں جاتا ہوں۔ مگر یاد رکھو یہ خون تمہاری گردن پر ہوگا۔ اگر لڑکے کو پھر تندرست دیکھنا چاہتی ہو تو اس عباسی کے پاس جاؤ۔ اس کی منت کرو۔ التجا کرو۔ تمہارے بچے کی جان اسی کے رحم و کرم پر منحصر ہے۔''

شاکرہ نے کچھ جواب نہ دیا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔

صابر حسین نے پوچھا۔ ''کیا مرضی ہے۔ جاؤں' اسے تلاش کروں؟''

شاکرہ: ''تم کیوں جاؤ گے۔ میں خود چلی جاؤں گی۔''

صابر: نہیں معاف کرو۔ مجھے تمہارے اوپر اعتبار نہیں ہے۔ نہ جانے تمہارے منہ سے کیا نکل جائے کہ وہ آتی بھی ہو تو نہ آئے۔''

شاکرہ نے شوہر کی طرف نگاہ ملامت سے دیکھ کر کہا۔ ''ہاں اور کیا! مجھے اپنے بچے کی بیماری کا قلق تھوڑے ہی ہے۔ میں نے شرم کے مارے تم سے کہا نہیں لیکن میرے دل میں بار بار یہ خیال پیدا ہوا ہے۔ اگر مجھے دایہ کے مکان کا پتہ معلوم ہوتا تو میں اسے کب کی منا لائی ہوتی۔ وہ مجھ سے کتنی ہی ناراض ہو لیکن نصیر سے اسے محبت تھی۔ میں آج ہی اس کے پاس جاؤں گی۔ اس کے قدموں کو آنسوؤں سے تر کر دوں گی۔ اور وہ جس طرح راضی ہوگی اسے راضی کروں گی۔''

شاکرہ نے بہت ضبط کر کے یہ باتیں کہیں۔ مگر امڈے ہوئے آنسو اب نہ رک سکے۔ صابر حسین نے بیوی کی طرف ہمدردانہ نگاہ سے دیکھا اور نادم ہو کر بولے۔ ''میں تمہارا جانا مناسب نہیں سمجھتا' خود ہی جاتا ہوں۔''

عباسی دنیا میں اکیلی تھی۔ کسی زمانے میں اس کا خاندان گلاب کا سرسبز شاداب درخت تھا۔ مگر رفتہ رفتہ خزاں نے سب پتیاں گرا دیں۔ بادحوادث نے درخت کو پامال کر دیا۔ اور اور اب یہی سوکھی ٹہنی ہرے بھرے درخت کی یادگار باقی تھی۔

مگر نصیر کو پا کر اس کی سوکھی ٹہنی میں جان سی پڑ گئی تھی۔ اس میں ہری ہری پتیاں نکل آئی تھیں۔ وہ زندگی جو اب تک خشک اور پامال تھی۔ اس میں پھر رنگ و بو کے آثار پیدا ہو گئے تھے۔ اندھیرے بیاباں میں بھٹکے ہوئے مسافر کو شمع کی جھلک نظر آنے لگی تھی۔ اب اس کا جوئے حیات سنگ ریزوں سے نہ ٹکراتا تھا۔ وہ اب ایک گلزار کی آبیاری کرتا تھا۔ اب اس کی زندگی مہمل نہیں تھی اس میں معنی پیدا ہو گئے تھے۔

عباسی نصیر کی بھولی بھولی باتوں پر نثار ہو گئی۔ مگر وہ اپنی محبت کو شاکرہ سے چھپاتی تھی۔ اس لیے کہ ماں کے دل میں رشک نہ ہو۔ وہ نصیر کے لیے ماں سے چھپ کر مٹھائیاں لاتی اور اسے کھلا کر خوش ہوتی۔ وہ دن میں دو دو تین تین بار اسے ابٹن ملتی کہ بچہ خوب پروان چڑھے۔ وہ اسے دوسروں کے سامنے کوئی چیز نہ کھلاتی کہ بچے کو نظر نہ لگ جائے۔ ہمیشہ دوسروں سے بچے کی کم خوری کا رونا رویا کرتی۔ اسے نظر بد سے بچانے کے لیے تعویذ اور گنڈے لاتی رہتی۔ یہ اس کی خالص مادرانہ محبت تھی۔ جس میں اپنے روحانی احتظاظ کے سوا اور کوئی غرض نہ تھی۔

اس گھر سے نکل کر آج عباسی کی وہ حالت ہو گئی جو تھیٹر میں یکا یک بجلیوں کے گل ہو جانے سے ہوتی ہے۔ اس کی آنکھوں کے سامنے وہی صورت ناچ رہی تھی۔ کانوں میں وہی پیاری پیاری باتیں گونج رہی تھیں' اسے اپنا گھر پھاڑے کھاتا تھا۔ اس کال کوٹھری میں دم گھٹا جاتا تھا۔

رات جوں توں کر کے کٹی۔ صبح کو وہ مکان میں جھاڑو دے رہی تھی۔ یکا یک تازے حلوے کی صدا سن کر بے اختیار باہر نکل آئی۔ معاً یاد آ گیا۔ آج حلوہ کون کھائے گا؟ آج گود میں بیٹھ کر کون چہکے گا۔ وہ نغمہ مسرت سننے کے لیے' جو حلوہ کھاتے وقت نصیر کی آنکھوں سے' ہونٹوں سے اور جسم کے ایک ایک عضو سے برستا تھا' عباسی کی روح تڑپ اٹھی۔ وہ بے قراری کے عالم میں گھر سے نکلی کہ چلوں۔ نصیر کو دیکھ آؤں' پر آدھے راستے سے لوٹ گئی۔

نصیر عباسی کے دھیان سے ایک لمحہ کے لئے بھی نہیں اترتا تھا۔ وہ سوتے سوتے چونک پڑتی۔ معلوم ہوتا نصیر ڈنڈے کا گھوڑا دبائے چلا آتا ہے۔ پڑوسنوں کے پاس جاتی تو نصیر ہی کا چرچا کرتی۔ اس کے گھر کوئی آتا تو نصیر ہی کا ذکر کرتی۔ نصیر اس کے دل اور جان میں بسا ہوا تھا۔ شاکرہ کی بے رخی اور بدسلوکی کے ملال کے لیے اس میں جگہ نہ تھی۔

وہ روز ارادہ کرتی کہ آج نصیر کو دیکھنے جاؤں گی۔ اس لیے بازار سے کھلونے اور مٹھائیاں لاتی۔ گھر سے چلتی۔ لیکن کبھی آدھے راستے سے لوٹ آتی۔ کبھی دو چار قدم سے آگے نہ بڑھا جاتا۔ کون منہ لے کر جاؤں؟ جو محبت کو فریب سمجھتا ہوا سے کون منہ دکھاؤں! کبھی سوچتی' کہیں نصیر مجھے نہ پہچانے تو! بچوں کی محبت کا اعتبار کیا؟ نئی دایہ سے رچ گیا ہو۔ یہ خیال اس کے پیروں میں زنجیر کا کام کر جاتا تھا۔

اس طرح دو ہفتے گزر گئے۔ عباسی کا دل ہر دم اچاٹ رہتا۔ جیسے اسے کوئی لمبا سفر درپیش ہو۔ گھر کی چیزیں جہاں کی تہاں پڑی رہتیں۔ نہ کھانے کی فکر نہ کپڑے کی۔ بدنی ضروریات بھی خلاء دل کو پر کرنے میں لگی ہوتی تھیں۔ اتفاق سے اسی اثنا میں حج کے دن

آ گئے۔ محلے میں کچھ لوگ حج کی تیاریاں کرنے لگے۔ عباسی کی حالت اس وقت پالتو چڑیا کی سی تھی۔ جو قفس سے نکل کر پھر کسی گوشہ کی تلاش میں ہو۔ اسے اپنے تئیں بھلا دینے کا یہ ایک بہانہ مل گیا۔ وہ آمادۂ سفر ہوگئی۔

سوچیے۔ بولیے

1. نصیر کی بیماری کا سبب کیا تھا؟
2. نصیر کی حالت کا ذمہ دار کون تھا؟
3. نصیر سے جدا ہو کر عباسی کس حال میں تھی؟

III

آسمان پر کالی گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں۔ اور ہلکی ہلکی پھواریں پڑ رہی تھیں۔ دہلی اسٹیشن پر زائرین کا ہجوم تھا۔ کچھ گاڑیوں میں بیٹھے تھے۔ کچھ اپنے گھر والوں سے رخصت ہو رہے تھے۔ چاروں طرف کہرام سا مچا ہوا تھا۔ دنیا اس وقت بھی جانے والوں کے دامن پکڑے ہوئے تھی۔ کوئی بیوی سے تاکید کر رہا تھا۔ ''دھان کٹ جائے تو تالاب والے کھیت میں مٹر بو دینا اور باغ کے پاس گیہوں۔'' کوئی اپنے جوان لڑکے کو سمجھا رہا تھا۔ ''آسامیوں پر بقایا لگان کی نالش کرنے میں دیر نہ کرنا اور دو روپیہ سینکڑہ سود ضرور مجرا کر لینا۔'' ایک بوڑھے تاجر صاحب اپنے منیم سے کہہ رہے تھے۔ ''مال آنے میں دیر ہو تو خود چلے جایئے گا اور چلتو مال لیجیے گا ورنہ روپیہ پھنس جائے گا۔'' مگر خال خال ایسی صورتیں بھی نظر آتی تھیں جن پر مذہبی ارادت کا جلوہ تھا۔ وہ یا تو خاموش آسمان کی طرف تاکتی تھیں یا محو تسبیح خوانی تھیں۔ عباسی بھی ایک گاڑی میں بیٹھی سوچ رہی تھی۔ ان بھلے آدمیوں کو اب بھی دنیا کی فکر نہیں چھوڑتی۔ وہی خرید و فروخت لین دین کے چرچے! نصیر اس وقت یہاں ہوتا تو بہت روتا۔ میری گود سے کسی طرح نہ اترتا۔ لوٹ کر ضرور اسے دیکھنے جاؤں گی۔ یا اللہ! کسی طرح گاڑی چلے۔ گرمی کے مارے کلیجہ بھنا جاتا ہے۔ اتنی گھٹا امڈی ہوئی ہے۔ برسنے کا نام ہی نہیں لیتی۔ معلوم نہیں یہ ریل والے کیوں دیر کر رہے ہیں؟ جھوٹ موٹ ادھر ادھر دوڑتے پھرتے ہیں۔ یہ نہیں کہ چٹ پٹ گاڑی کھول دیں۔ مسافروں کی جان میں جان آئے۔ یکا یک اس نے صابر حسین کو بائیسکل لیے پلیٹ فارم پر آتے دیکھا۔ ان کا چہرہ اترا ہوا تھا اور کپڑے تر تھے۔ وہ گاڑیوں میں جھانکنے لگے۔ عباسی محض یہ دکھانے کے لیے کہ میں بھی حج کرنے جا رہی ہوں' گاڑی سے باہر نکل آئی۔ صابر حسین اسے دیکھتے ہی لپک کر قریب آئے اور بولے۔ ''کیوں عباسی! تم بھی حج کو چلیں؟''

عباسی نے فخریہ انکسار سے کہا۔ ''ہاں! یہاں میں کیا کروں؟ زندگی کا کوئی ٹھکانہ نہیں۔ معلوم نہیں کب آنکھیں بند

ہو جائیں۔ خدا کے یہاں منہ دکھانے کے لیے بھی تو کوئی سامان چاہیے۔ نصیر میاں تو اچھی طرح ہیں؟''

صابر: اب تو تم جا رہی ہو۔ نصیر کا حال پوچھ کر کیا کرو گی۔ اس کے لیے دعا کرتی رہنا۔''

عباسی کا سینہ دھڑکنے لگا۔ گھبرا کر بولی۔ ''کیا دشمنوں کیا طبیعت اچھی نہیں ہے؟''

صابر: اس کی طبیعت تو اسی دن سے خراب ہے جس دن تم وہاں سے نکلیں۔ کوئی دو ہفتہ تک تو انا انا کی رٹ لگاتا رہا۔ اور اب ایک ہفتہ سے کھانسی اور بخار میں مبتلا ہے۔ ساری دوائیں کر کے ہار گیا۔ کوئی نفع ہی نہیں ہوتا۔ میں نے ارادہ کیا تھا چل کر تمہاری منت سماجت کر کے لے چلوں۔ کیا جانے! تمہیں دیکھ کر اس کی طبیعت کچھ سنبھل جائے لیکن تمہارے گھر پر آیا تو معلوم ہوا کہ تم حج کرنے جا رہی ہو۔ اب کس منہ سے چلنے کو کہوں۔ تمہارے ساتھ سلوک ہی کون سا اچھا کیا تھا؟ کہ اتنی جرأت کر سکوں اور پھر کار ثواب میں رخنہ ڈالنے کا بھی خیال ہے۔ جاؤ! اس کا خدا حافظ ہے۔ حیات باقی ہے تو صحت ہو ہی جائے گی ورنہ مشیت ایزدی سے کیا چارہ؟''

عباسی کی آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا۔ سامنے کی چیزیں تیرتی ہوئی معلوم ہوئیں۔ دل پر ایک عجیب وحشت کا غلبہ ہوا۔ دل سے دعا نکلی۔ ''اللہ میری جان کے صدقے' میرے نصیر کا بال بیکا نہ ہو۔'' رقت سے گلا بھر آیا۔ ''میں کیسی سنگ دل ہوں پیارا بچہ رو رو کر ہلکان ہو گیا اور میں اسے دیکھنے تک نہ گئی۔ شاکرہ بدمزاج سہی' بدزبان سہی۔ نصیر نے میرا کیا بگاڑا تھا؟ میں نے ماں کا بدلہ نصیر سے لیا۔ یا خدا میرا گناہ بخشیو! پیارا نصیر میرے لیے ہڑک رہا ہے (اس خیال سے عباسی کا کلیجہ مسوس اٹھا اور آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے) مجھے کیا معلوم تھا کہ اسے مجھ سے اتنی محبت ہے۔ ورنہ شاکرہ کی جوتیاں کھاتی اور گھر سے قدم نہ نکالتی آہ! نہ معلوم! بیچارے کی کیا حالت ہے؟ انداز وحشت سے بولی۔ ''دودھ تو پیتے ہیں نا؟''

صابر: ''تم دودھ پینے کو کہتی ہو۔ اس نے دو دن سے آنکھیں تو کھولی نہیں۔''

عباسی: ''یا میرے اللہ! ارے او قلی! قلی! بیٹا! آ کے میرا اسباب گاڑی سے اتار دے۔ اب مجھے حج وج کی نہیں سوجھتی۔ ہاں بیٹا! جلدی کر۔ میاں! دیکھئے کوئی یکہ ہو تو ٹھیک کر لیجئے۔''

یکہ روانہ ہوا۔ سامنے سڑک پر کئی بگھیاں کھڑی تھیں۔ گھوڑا آہستہ آہستہ چل رہا تھا۔ عباسی بار بار جھنجھلاتی اور یکہ بان سے کہتی تھی۔ ''بیٹا! جلدی کر میں تجھے کچھ زیادہ دے دوں گی۔'' راستہ میں مسافروں کی بھیڑ دیکھ کر اسے غصہ آتا تھا۔ اس کا جی چاہتا تھا گھوڑے کے پر لگ جاتے۔ لیکن جب صابر حسین کا مکان قریب آ گیا تو عباسی کا سینہ زور سے اچھلنے لگا۔ سر تیورا گیا۔ بار بار دل سے دعا نکلنے لگی۔ خدا کرے سب خیر و عافیت ہو۔

یکہ صابر حسین کی گلی میں داخل ہوا۔ دفعتاً عباسی کے کان میں کسی کے رونے کی آواز آئی۔ اس کا کلیجہ منہ کو آ گیا۔ سر تیورا گیا۔ معلوم ہوا دریا میں ڈوبی جاتی ہو۔ جی چاہا یکہ سے کود پڑوں۔ مگر ذرا دیر میں معلوم ہوا کہ عورت میکے سے وداع ہو رہی ہے۔ تسکین ہوئی۔

آخر صابر حسین کا مکان آ پہنچا۔ عباسی نے ڈرتے ڈرتے دروازے کی طرف تاکا۔ جیسے کوئی گھر سے بھاگا ہوا یتیم لڑکا شام کو بھوکا پیاسا گھر آئے اور دروازے کی طرف سہمی ہوئی نگاہ سے دیکھے کہ کوئی بیٹھا تو نہیں ہے۔ دروازہ پر سناٹا چھایا ہوا تھا۔ باورچی بیٹھا حقہ پی رہا تھا۔ عباسی کو ذرا ڈھارس ہوئی۔ گھر میں داخل ہوئی تو دیکھا کہ نئی دایہ بیٹھی پولس پکا رہی ہے۔ کلیجہ مضبوط ہوا۔ شاکرہ کے کمرے میں گئی تو اس کا دل گرمی کی دوپہری دھوپ کی طرح کانپ رہا تھا۔ شاکرہ نصیر کو گود میں لیے دروازے کی طرف ٹکٹکی لگائے تاک رہی تھی۔ غم اور یاس کی زندہ تصویر۔

عباسی نے شاکرہ سے کچھ نہیں پوچھا۔ نصیر کو اس کی گود سے لے لیا اور اس کے منہ کی طرف چشم پرنم سے دیکھ کر کہا۔ ''بیٹا! نصیر! آنکھیں کھولو۔''

نصیر نے آنکھیں کھولیں۔ ایک لمحہ تک دایہ کو خاموش دیکھتا رہا۔ تب یکا یک دایہ کے گلے سے لپٹ گیا اور بولا۔ ''انا آئی۔ انا آئی۔''

نصیر کا زرد مرجھایا ہوا چہرہ روشن ہوگیا۔ جیسے بجھتے ہوئے چراغ میں تیل پڑ جائے۔ ایسا معلوم ہوا گویا وہ کچھ بڑھ گیا ہے۔

ایک ہفتہ گزر گیا۔ صبح کا وقت تھا۔ نصیر آنگن میں کھیل رہا تھا۔ صابر حسین نے آکر اسے گود میں اٹھالیا اور پیار کر کے بولے۔ ''تمہاری انا کو مار کر بھگا دیں؟ نصیر نے منہ بنا کر کہا۔ ''نہیں روئے گی۔''

عباسی بولی: ''کیوں بیٹا! مجھے تو تو نے کعبہ شریف نہ جانے دیا۔ میرے حج کا ثواب کون دے گا؟''

صابر حسین نے مسکرا کر کہا۔ ''تمہیں اس سے کہیں زیادہ ثواب ہوگیا۔ اس حج کا نام حج اکبر ہے۔''

سوچیے۔ بولیے

1. عباسی نے حج پر جانا کیوں ملتوی کر دیا؟
2. نصیر کی حالت کا جان کر عباسی کس طرح بے قرار ہوئی؟
3. صابر حسین نے عباسی کے حج نہ کر سکنے کو ''حج اکبر'' کیوں کہا؟

آیئے لسانی استعداد حاصل کریں

I. سمجھنا اظہار خیال کرنا

(الف) ذیل کی عبارت پڑھئے اور پانچ سوالات تیار کر کے لکھئے۔

بنی سعد بن بکر کے قبیلے کی دایہ حلیمہ بہت ملول اور افسردہ تھی۔ دل ہی دل میں پچھتاتی تھی کہ ہائے! امیر گھرانوں کے تمام بچے دوسری دائیوں نے چن لیے۔ میری تقدیر میں یتیم بچہ کا دودھ پلانا لکھا تھا۔ ملول و افسردہ حلیمہ تاسف آمیز انداز میں عبدالمطلب کے گھر پہنچی۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سو رہے تھے۔ چہرۂ مبارک سے ہلکا ہلکا نور چھن رہا تھا۔ چاندنی سے زیادہ دلکش اور نظر نواز۔ حلیمہ دبے پاؤں نزدیک گئی سینہ مبارک پر پیار سے ہاتھ رکھا۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آنکھیں کھول دیں۔ مسکرائے اور حلیمہ کی طرف دیکھنے لگے۔ حلیمہ نے سینکڑوں بچے دیکھے تھے اور دسوں کو دودھ پلایا تھا مگر اس یتیم کی دھج ہی نرالی تھی۔ اس کی مسکراہٹ میں تسکین کا پیام، راحت و محبت کی دعوت اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وقار و متانت کی آمیزش تھی۔

(ب) بحوالہ متن تشریح کیجئے۔

مندرجہ ذیل عبارت کی بحوالہ متن تشریح کیجئے۔

1. ''تو یہاں تمہاری کون پروا کرتا ہے۔ تمہاری جیسی مائیں گلی گلی ٹھوکریں کھاتی پھرتی ہیں۔''
2. ''بڑے حکیم نہیں۔ لقمان بھی آئیں تو اسے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔''
3. ''بس اس کی ایک ہی دوا ہے اور وہ نایاب ہے۔''
4. ''میں کیسی سنگ دل ہوں پیارا بچہ رو رو کر ہلکان ہو گیا اور میں اسے دیکھنے تک نہ گئی۔ شاکرہ بدمزاج سہی، بدزبان سہی۔ نصیر نے میرا کیا بگاڑا تھا؟''
5. ''تمہیں اس سے کہیں زیادہ ثواب ہو گیا۔ اس حج کا نام حج اکبر ہے۔''

II۔ زبان شناسی

لفظیات

(الف) ذیل میں دیے گئے جملے پڑھیے اور خط کشیدہ الفاظ کے واحد کی جمع اور جمع کی واحد لکھئے۔

1. معاملہ عدالت کے حوالے کر دیا گیا۔ ( )
2. سلمان کی خطا تھی سزا فراز کو ملی۔ ( )
3. آج دفتر بند ہے۔ ( )

4. مقدس مقام پر زائرین کی بھیڑ تھی۔ ( )
5. آپ حکم کریں ہم تعمیل کریں گے۔ ( )
6. شمع کے گرد پروانے منڈلا رہے ہیں۔ ( )
7. ان کے تعلقات پڑوسیوں سے ہمیشہ ٹھیک رہے۔ ( )
8. پروگرام کی تمام تصاویر ارسال کیجئے۔ ( )
9. حجاج کرام کا قافلہ اپنے سفر پر روانہ ہوا۔ ( )
10. نصیر کو کوئی مرض نہیں تھا۔ ( )

III۔ اظہار مافی الضمیر / تخلیقی اظہار

(الف) ذیل کے سوالوں کے جواب 5 تا 6 جملوں میں دیجئے۔

1. عباسی، نصیر کا کس طرح خیال رکھتی تھی؟
2. عباسی کے ساتھ شاکرہ کا سلوک کیسا تھا؟
3. دایہ کے جانے کے بعد نصیر کی کیا حالت ہوئی؟
4. افسانہ ''حج اکبر'' کا مرکزی خیال کیا ہے؟
5. منشی پریم چند کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟ مختصراً لکھئے۔

(ب) ذیل کے سوالوں کے جواب 10 تا 12 جملوں میں دیجئے۔

1. افسانہ ''حج اکبر'' کا خلاصہ لکھئے۔
2. صنف ''افسانہ'' کے بارے میں تفصیل سے لکھئے۔
3. افسانے کے ان کرداروں پر نوٹ لکھئے۔

عباسی نصیر شاکرہ

(ج) تخلیقی انداز میں لکھیے۔

1. ''انسانی حقوق کی ادائیگی بھی عبادت کا درجہ رکھتی ہے۔'' عنوان پر ایک مختصر لکھیے۔
2. آپ کا ایک دوست خدمت خلق کے کاموں میں ہمیشہ پیش پیش رہتا ہے اس کی تعریف کرتے ہوئے ایک توصیف نامہ تیار کیجئے۔

فرہنگ

احتظاظ	=	لذت اٹھانا
اشک ریزی	=	آنسو بہانا
اشتعال	=	غصہ، بھڑک اٹھنا
استخوان	=	ہڈی
استدلال	=	دلیل پیش کرنا، ثبوت دکھانا
امرت	=	آب حیات
آبیاری	=	درختوں کو پانی دینا، کھیتوں کو سینچنا
برہنہ پا	=	ننگے پاؤں، جس کے پاؤں میں جوتیاں نہ ہوں
بےسود	=	بے فائدہ، بے کار
تردید	=	کسی بات کو غلط ٹھہرانا
تسکین	=	اطمینان، سکون
تعریض	=	اعتراض کرنا
خطاوار	=	قصور کرنے والا، غلطی کرنے وال
خصلت	=	عادت، طور طریقہ
خلوت پسند	=	تنہائی پسند
حجت	=	بحث، ثبوت، دلیل
رخنہ	=	خلل ڈالنا، مداخلت کرنا
زائرین	=	زیارت کرنے والے

کہرام	=	رونا پیٹنا' آہ وزاری
کارثواب	=	نیکی کا کام
قفس	=	پنجرا۔قید خانہ
متانت	=	سنجیدگی' شائستگی
مکر	=	فریب' دھوکا
مشیت ایزدی	=	اللہ کی مرضی
مہمل	=	بے معنی' بے مطلب
نایاب	=	بیش قیمت' بیش بہا
ہیٹے	=	کمتر' کم رتبہ

2. کندن

رشید احمد صدیقی

مقصد

انسان کی عظمت اور بلندی یہ نہیں کہ وہ کسی مرتبہ و مقام پر فائز ہو بلکہ کئی لوگ ایسے ہوتے ہیں جو بظاہر کسی مقام و مرتبے کے حامل نظر نہیں آتے لیکن دیکھنے والوں پر اپنی گہری چھاپ چھوڑ جاتے ہیں۔ یہ دراصل ان کے کردار کی پختگی ہوتی ہے جو انہیں عظمت عطا کرتی ہے۔ ایسی ہی ایک شخصیت کندن کی تھی۔ جو بظاہر ایک معمولی چپراسی تھا لیکن اس نے اپنے کردار کی پختگی کے نقوش مصنف پر ایسے مرتب کئے کہ مصنف اس کا خاکہ تحریر کرنے پر مجبور ہو گیا۔ کندن کی شخصیت کے ان اوصاف کو اجاگر کرنا' انہیں اپنانے کی تحریک طلباء میں پیدا کرنا اور خاکہ نگاری کے صنف سے واقف کروانا اس سبق کا مقصد ہے۔

صنف کی تعریف و ماخذ

یہ سبق نثری صنف خاکہ نگاری سے متعلق ہے۔ جس میں کسی شخصیت کے احوال اس طرح پیش کئے جاتے ہیں کہ ان کے ظاہر و باطن دونوں قاری کے ذہن نشیں ہو جاتے ہیں۔ جیسے پڑھنے والے نے نہ صرف شخصیت کا قلمی چہرہ دیکھا ہے بلکہ خود اس شخصیت کو دیکھا بھالا اور سمجھا بوجھا ہے۔

اختصار' وحدت تاثر' کردار نگاری' واقعہ نگاری' منظر کشی اور ایک پختہ و پائیدار مثالی کردار خاکہ نگاری کے فنی لوازم ہیں۔

اردو نثر کو افسانوی اور غیر افسانوی نثر پر مشتمل ہے۔ افسانوی نثر میں داستان' ناول' افسانہ وغیرہ معروف اصناف ہیں جب کہ غیر افسانوی نثر کی اصناف میں انشائیہ' مضمون' سفرنامہ' خاکہ وغیرہ ہیں۔ خاکہ ایک غیر افسانوی نثر کی ایک اہم صنف ہے۔ جس کو انگریزی میں ''اسکیچ'' کہتے ہیں۔ اسے مرقع یا قلمی تصویر بھی کہا جاتا ہے۔ اردو کے خاکہ نگاروں میں خواجہ حسن نظامی' مولوی عبدالحق' شاہد احمد دہلوی' رشید احمد صدیقی' شوکت تھانوی' کنہیالال کپور قابل ذکر ہیں۔

خاکہ ''کندن'' رشید احمد صدیقی کی تصنیف ''ہم نفسان رفتہ'' سے ماخوذ ہے۔

مصنف کا تعارف

رشید احمد صدیقی 24/ڈسمبر 1892ء کو جونپور، اتر پریش میں پیدا ہوئے۔علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے تعلیم کو مکمل کرنے کے بعد انہوں نے پیشہ تدریس کو اپنایا۔انہوں نے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں لکچرر، ریڈر اور پروفیسر کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔اور 1958ء میں ملازمت سے سبکدوش ہوئے۔رشید احمد صدیقی عام طور پر طنز ومزاح نگار کے طور پر معروف ہیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ وہ بڑی متنوع شخصیت کے مالک تھے۔انہوں نے معاشرتی زندگی کے مختلف پہلوؤں کا خاطر خواہ جائزہ لیا لیکن افسانوں کو رنگ ونسل اور مذہب کی بنیاد پر جانچنے کے بجائے اس کے کردار اور ذاتی خوبیوں کی روشنی میں پرکھا۔

وہ طنز ومزاح نگار کے علاوہ مرقع نگار (خاکہ نگار) اور اعلیٰ پائے کے صاحب طرز انشاء پرداز تھے۔ان کے خاکوں کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ انہوں نے شخصیت کے مقام ومرتبے سے متاثر ہوئے بغیر ان کے کردار پر روشنی ڈالی ہے۔ان کا انداز عام فہم سادہ اور مہذب ہے۔یہی نہیں انہیں موقع ومنظر اور جذبات واحساسات کی ترجمانی میں بھی کمال حاصل تھا۔کندن کا جو خاکہ انہوں نے تحریر کیا ہے اس کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ خاکہ نگاری میں ان کا معیار کیا ہے۔

1971ء میں انہیں ساہتیہ اکاڈمی ایوارڈ اور 1963ء میں پدم شری سے نوازا گیا۔مضامین رشید، خنداں، گنج ہائے گراں مایہ، ہم نفسان رفتہ، شیخ نیازی، آشفتہ بیانی میری اور علی گڑھ کی مسجد قرطبہ وغیرہ ان کی اہم تصانیف ہیں۔ان کی وفات 15 جنوری 1977ء کو ہوئی اور علی گڑھ یونیورسٹی کے قبرستان میں سپرد خاک کئے گئے۔

ابتدائیہ

نام دیو، مقبرہ رابعہ درانی، اورنگ آباد کے باغ میں مالی تھا۔لیکن سچائی اور نیکی کسی کی میراث نہیں ہوتیں۔نام دیو بھی ہمیشہ باغ میں اپنے کام میں مصروف ہوتا تھا۔وہ بہت سادہ مزاج، بھولا بھالا اور منکسر المزاج تھا۔اس کے چہرے پر ہمیشہ بشاشت اور لبوں پر مسکراہٹ کھیلتی رہتی تھی۔چھوٹے بڑے ہر ایک سے جھک کر ملتا۔اسے کام سے عشق تھا اور آخر کام کرتے کرتے ہی اس دنیا سے رخصت ہوگیا۔جب کبھی مجھے نام دیو کا خیال آتا ہے تو میں سوچتا ہوں کہ نیکی کیا ہے اور بڑا آدمی کسے کہتے ہیں۔ہر شخص میں قدرت نے کوئی نہ کوئی صلاحیت رکھی ہے۔اس صلاحیت کو درجہ کمال تک پہنچانے کی کوشش ہی سے انسان انسان بنتا ہے۔اگر نیکی اور بڑائی کا یہ معیار ہے تو بلاشبہ نام دیو نیک بھی تھا اور بڑا بھی۔مولوی عبدالحق نے ''نام دیو'' پر ایک خاکہ لکھا تھا۔عزیز طلباء آج ہم نام دیو کی طرح ایک اور عام سے آدمی ''کندن'' کا خاکہ پڑھیں گے۔جو عام ہونے کے باوجود نیکی اور اچھائی کی مثال تھا۔

I

کندن مرگیا اور گھنٹے بجتے رہے۔ کندن کالج کا گھنٹہ بجاتا تھا' معلوم نہیں کب سے' کم وبیش ۳۰۔۳۵ سال سے' اتنے دنوں سے اس پابندی سے کہ اس طرف خیال کا جانا بھی بند ہوگیا تھا وہ مرجائے گا یا گھنٹہ بجانے سے باز آجائے گا! طالب علمی کا زمانہ ختم کرکے اسٹاف میں آیا تو یہ گھنٹہ بجارہا تھا' اسی کے گھنٹوں کے مطابق کام کرتے کرتے پوری مدت ملازمت ختم کی۔ یونیورسٹی سے رخصت ہوا تو اسے گھنٹے بجاتے چھوڑا' گھنٹے کی آواز روزمرہ کے اوقات میں اس طرح گھل مل گئی تھی جیسے وہ کہیں باہر سے نہیں میرے ہی اندر سے آرہی ہو جیسے وہ وظائف جسمانی کے ان معمولات میں داخل ہوگئی ہو جن کا شعوری طور پر احساس نہیں ہوتا۔ کئی دن بعد کسی نے بتایا' کندن مرگیا۔ ایک دھچکا سا لگا' ارے کندن مرگیا۔ اتنے دنوں سے گھنٹے کی آواز آتی رہی اور حسب معمول یہی سمجھتا رہا کہ کندن بجارہا ہے۔

کندن کے گھنٹہ بجانے پر مہدی منزل سے لے کر مشتاق منزل تک کی کلاسیں باہر آجاتیں' دو تین منٹ تک یہ ہمہمہ رہتا' پھر یہی لڑکے کلاس میں جا بیٹھتے۔ مقرر وقفے کے بعد کندن گھنٹہ بجاتا وہی سماں پھر نظروں کے سامنے آجاتا۔ پڑھائی کے دنوں میں صبح سے سہ پہر تک یہی سلسلہ جاری رہتا۔ آتے جاتے پوچھ لیتا کندن کون سا گھنٹہ چل رہا ہے' اتنا گھنٹہ دریافت کرنے کے لئے نہیں جتنا اس سے ملنے کی تقریب منانے کے لئے۔ ہمیشہ جواب دیتا' ہجور فلاں گھنٹہ۔ چاہے پوچھنے والا طالب علم ہو' معلم ہو یا کلرک۔ اس کے ہجور کہنے میں توقیر اور تواضع کی حلاوت تھی' خوشامد یا تصنع کی کراوٹ نہیں۔

موت اور زیست کی گردش نے کتنوں کو بڑا کتنوں کو چھوٹا کتنوں کو یکساں کردیا۔ کسی نے ٹھیک کہا ہے' موت سے زیادہ ہم سطح کردینے والی دوسرے کوئی شئے نہیں۔ اس ۳۰۔۳۵ سال میں ہم سے قریب ہم سے دور' ہمارے لائے ہوئے کیسے کیسے انقلابات ہوئے۔ نوجوانوں کی کتنی نسلیں اس ادارے سے نکلیں۔ ان سب کو کیسے اور کہاں تک یاد میں سمیٹوں۔ یہ سب ہوتا رہا لیکن کندن کا گھنٹہ بجانا جوں کا توں رہا۔ جیسے اس کا گھنٹہ بجانا یونیورسٹی کے موجود اور معتبر ہونے کا اعلان تھا۔ لیکن ہوا وہی جو بالآخر ہو کر رہتا ہے۔ کندن مرگیا۔ تقدیر کے اس معمول میں فرق نہ آیا۔

یونیورسٹی کا بالکل ابتدائی زمانہ تھا۔ مرزا اختر حسین صاحب اسسٹنٹ رجسٹرار تھے۔ جن کے سپرد امتحان کا کام تھا۔ کندن کو انہوں نے اپنا آنریری سکنڈ لفٹننٹ اور کوآڈرٹیگل (کچی پکی پارک) کے سارے مہتروں کا کمپنی کمانڈ مقرر کیا اور کھچیر (ایک بوڑھا مہتر) کو لانس کارپورل (Lance Corporal) خواص میں یہ کمپنی Mirza Ahkter Hussain's own Fussiliery کے لقب سے اور عوام میں کندن کی سفر مینا کے نام سے مشہور ہوئی۔ امتحان کے زمانے میں شروع سے آخر تک یونیورسٹی میں مرزا صاحب کندن اور یہ سفر مینا پلٹن ایک دوسرے سے جدا یا دور نہیں دیکھی گئی۔

مرزا صاحب ہر کام ضابطے اور اہتمام سے کرنے کے شائق تھے۔ اس زمانے میں امیدوار کم ہوتے تھے۔ جن کے لئے

اسٹریچی ہال کافی بڑا ہال تھا لیکن موصوف اس دھوم سے امتحانات منعقد کرتے جیسے نہ صرف امیدوار بلکہ ان کے والدین اور قریبی رشتہ دار سب کے سب شریک ہو جانے کا امکان تھا۔ اسٹریچی ہال کے سامنے سے اس زمانے میں گزرے تو اس کے اونچے برآمدے کے صدر دروازے پر مرزا صاحب کھڑے کمانڈ کرتے ہوتے۔ زینے پر کندن اس سے نیچے سڑک مہتروں کی ''سفر مینا'' جاروب بدست و کھرپا در بغل' اٹینشن کھڑی ہوتی۔ کچھ اسی طرح کا نقشہ ہوتا جیسا آج کل قومی جھنڈے کو سلامی دینے کے لئے کوئی نیتا کھڑا ہو اور دوسرے حسب مراتب نیچے صف آرا ہوں۔ مرزا صاحب کا حکم پاتے ہی کمپنی کمانڈر کندن' سفر مینا کے ایک حصے کو ساتھ لے کر اسٹریچی ہال میں نشستیں ترتیب دینے میں مصروف ہو جاتا' دوسرا ڈیچ منٹ اہم پوزیشنوں پر جھاڑو دینے لگتا یا گھاس کھودنے لگتا۔

یہ زمانہ مالی مشکلات کا تھا' یونیورسٹی سے تنخواہ پانے والے معلموں کو پرچہ بنانے یا امتحان کی کاپیوں کے جانچنے کا معاوضہ نہیں ملتا تھا۔ اس کی تلافی مرزا صاحب نے کچھ اس طور پر کی تھی کہ جو لوگ نگرانی کے کام پر مامور ہوں لمونیڈ اور برف ان کی خدمت میں مفت پیش کیا جائے۔ اس کا حساب کندن رکھتا تھا اور مرزا صاحب ان اخراجات کی ادائیگی امتحان فنڈ سے کرتے تھے۔ مرزا صاحب نے اندرونی ممتحنوں کے لیے ایک رعایت اور رکھی تھی۔ ہر سال امتحان کی پرانی کاپیوں سے سادے اوراق نکال کر نئی کاپیاں بنائی جاتی تھیں۔ ہم میں سے جو لوگ مرزا صاحب کے صحیفہ خوشنودی میں کوئی ممتاز مقام رکھتے تھے اور موصوف کو یقین دلا چکے ہوتے کہ ہم کو لکھنے پڑھنے کا کام دوسروں سے زیادہ کرنا پڑتا ہے' ان کا موصوف نے منصب یا وثیقہ مقرر کر دیا تھا۔ جیسے مغلوں کے ہاں پنج ہزاری یا سہ ہزاری منصب دار یا نوابان اودھ کے ہاں وثیقے دار ہوتے تھے۔ اسی طرح مرزا صاحب کے ہاں پنج سیری سے لے کر آدھ سیری تک کے منصب دار ہوتے تھے' یعنی ان کو ہر سال اتنے ہی سیر یا آدھ سیر امتحان کی کاپیوں سے نکالے ہوئے سادے اوراق دیے جاتے تھے۔ بعض اس کو مرزا صاحب کے جلوس شاہی کا یوم تقریب دوسرے اس کو فصل کی تیاری اور بٹائی کا زمانہ قرار دیتے تھے۔

یہ منصب داری یا وثیقہ یابی عظمت الٰہی زبیری کے عہد رجسٹراری تک برقرار رہی۔ اس کے بعد یہ قصہ ختم ہو گیا۔ کندن کے سپرد یہ کام تھا کہ یہ اوراق تول تول کر بنڈل باندھتا اور ہمارے گھروں پر پہنچا دیتا اور ہم سب کی توفیق کے مطابق انعام پاتا۔ کندن یہ بنڈل لے کر آتا تو میں پوچھ لیتا کیوں کندن مرزا صاحب کے حضوری ہماری کارگزاری میں کوئی فرق تو نہیں آیا۔ تول ٹھیک ہے؟ کہتا ہجور بالکل ٹھیک ہے' کھاتر جمع رکھیں۔ ایک دن کندن کی عملداری میں سے گزرا۔ نئی کاپیوں کے لیے پرانی کاپیاں پھاڑی جا رہی تھیں پوچھا' کندن ہمارے وثیقے کا کیا ہوا' بولا' ہجور اب نبابی (نوابی) نہیں رہی۔ میں نے کہا کوئی بات نہیں تم تو اپنا وثیقہ وصول کرنے کے لیے نوابی زمانے والوں کے پاس آ ہی جایا کرو۔ کچھ دنوں بعد مرزا صاحب رجسٹرار ہو کر پٹنہ چلے گئے اور امتحانات کے لیے' جہاں تک سیٹیں فراہم کرنے اور ان کو ترتیب دینے کا سوال تھا' کندن کو پورے اختیارات مل گئے۔ امتحانات سے آگے بڑھ کر سرکاری اور غیر سرکاری تقریبوں میں نشستوں کے انتظام کا فریضہ بھی رفتہ رفتہ کندن کے حصے میں آ گیا۔ اختیارات کا قاعدہ یہ ہے کہ وہ کہیں سے کسی کو تفویض کئے جاتے ہیں' بعض لوگ جوڑ توڑ سے حاصل کرتے ہیں' کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو بزم مئے میں کوتاہ دستی کے قائل نہیں ہوتے بلکہ خود بڑھ کر ہاتھ میں اٹھا لیتے ہیں تو مینا انہیں کا ہو جاتا ہے۔ ان ہی میں سے ایک کندن تھا۔ تقریب کہیں کیسی ہو' وقت کم ہو' مہمانوں

کے بیٹھنے کا سامان فراہم کرنے میں کتنی ہی دشواریاں کیوں نہ حائل ہوں' گزشتہ ۳۰۔۴۰ سال سے یہ مہم کندن اس خوبی سے انجام دیتا تھا کہ سب حیران رہ جاتے۔

کسی شعبے یا شعبے کے کسی کمرے میں کتنے ڈیسک اور کرسیاں ہیں' کیسی حالت میں ہیں' کتنی ٹوٹ پھوٹ میں آ گئیں' ان کے بدلے میں کتنی اور آئیں اور اس کی خبر جتنی کندن کو تھی' خود شعبے کے چپراسی کو نہ تھی۔ امتحان کا کاروبار پہلے کی نسبت بہت بڑھ گیا۔ فرنیچر کی کمی' وقت کی تنگی' کمروں کی کمی ان سب سے نپٹنے کے لئے کندن کی ''ایک شخصی وزارت'' کا مشورہ اور مدد لازمی تھی۔ کندن ہی بتا سکتا تھا کہ زیادہ سے زیادہ کتنی نشستوں کا کہاں کہاں کس طرح انتظام ہوسکتا ہے۔ امتحان قریب ہوتا تو ہر شعبہ کے صدر کے نام رجسٹرار آفس سے ایک گشتی مراسلہ آجاتا کہ امتحان کے لیے زیادہ سے زیادہ جتنی کرسی اور ڈیسک مہیا کئے جاسکیں' شکر گزاری کے موجب ہوں گے' یہ خط لے کر کندن جاتا' پوچھا۔ کندن کیسے کدھر آ نکلے؟ ہجوم امتحان ہے نا' کرسی ڈیسک چاہئیں۔ بھئی یہ ہمیشہ کا دھندا ہے' اس میں پوچھنا کیا۔ میاں خاں (شعبے کا چپراسی) اور تم آپس میں سمجھ لو۔ کندن سامان اٹھوا لے جاتا۔ امتحان کے ختم ہونے پر ہر کرسی اور ڈیسک اسی کمرے میں اسے قرینے سے رکھی ہوئی مل جاتی جس طرح لے جائی گئی تھی۔

کنووکیشن (جلسہ تقسیم اسناد) کی تقریب عام طور پر ساڑھے گیارہ بجے سے شروع ہوکر ڈیڑھ پونے دو بجے ختم ہوتی ہے۔ اسی پنڈال میں تقریباً اتنے ہی اشخاص کے لیے عصر میں چائے کا انتظام کیا جاتا ہے۔ کنووکیشن کا جلسہ جس نوعیت کا ہوتا ہے۔ جس طریقے سے جیسے گنجان نشستوں کا انتظام کیا جاتا ہے چائے کے لیے اس سے بالکل مختلف ترتیب لازم آتی ہے۔ جلسے میں چھوٹی میزوں کی ضرورت نہیں ہوتی۔ چائے کے لئے ہوتی ہے۔ پھر ہر میز کے گرد چار یا چھ مہمانوں کے بیٹھنے کے لئے انتظام۔ تین گھنٹوں کے اندر اندر اسی طرح کی صدہا میزوں کا لگانا اور سجانا اور صبح کی ترتیب کو یک لخت بدل دینا آسان کام نہیں ہے۔ دوپہر کے جلسے میں جو حضرات شریک ہوئے تھے' سہ پہر کو چائے پر آئے تو دیکھا کہ سارا نقشہ ہی بدلا ہوا ہے۔ جیسے صبح کا جلسہ کہیں اور نہیں تو کسی اور دن ہوا تھا۔ اسی پنڈال میں رات کو مشاعرہ ہونے والا تھا۔ بیٹھنے کا انتظام پھر بدلا جائے گا۔ جیسے دیتے ہوں دھوکا یہ بازی گر کھلا۔ رات گئے تک یہ ''ہنگامہ شعر و سخن'' برپا رہے گا۔ دوسرے دن کندن اور کمپنی تمام میز کرسیاں حسب معمول اپنی اپنی جگہ پر پہنچا دیں گے۔

سوچیے۔ بولیے

1. کندن کو کون کون سے اختیارات مل گئے؟
2. مختلف شعبوں میں موجود فرنیچر کے بارے میں کندن کی جانکاری کیسی ہوتی تھی؟

II

یونیورسٹی میں نجی تقریبیں بھی چھوٹے بڑے پیمانے پر ہوا کرتی ہیں۔نشستوں کے لئے میز کرسی کی فراہمی کا انتظام کندن کے سپرد ہوتا تھا۔ بڑے سے بڑے پیمانے پر جتنی جلدی اور جس خوبی سے وہ یہ سب انتظام کر دیتا اور دیکھتے ہی دیکھتے سارا فرنیچر صحیح وسالم اپنی اپنی جگہ پر واپس پہنچا دیتا وہ صرف اسی کے بس کی بات تھی۔ چیخ وپکار نہ دوڑ دھوپ نہ تو تکار' کام اس طرح انجام پاتا جیسے کام کیا نہیں جا رہا ہے بلکہ خود ہوتا جا رہا ہے جیسے دن رات کا تواتر۔ ساتھی کام کرنے والوں کا جتنا پکا تعاون کندن کو نصیب تھا' کم دیکھنے میں آیا۔اس کے کہنے کو کوئی نہیں ٹالتا تھا۔ حجت یا ٹال مٹول تو اس سے کی جاتی' جس کے ہاں تقریب تھی۔لیکن مانگنے والا تو کندن تھا۔ وہ ہر ایک کی خدمت کر چکا تھا' اس کی کون نہ مانتا۔

میرا خیال ہے کندن شاید اس سے زیادہ نہیں جانتا تھا کہ ٹوٹے پھوٹے ہندی رسم خط میں کچھ ہندسے یا ایک آدھ عبارت نوٹ کر لیتا ہو لیکن اس کی اٹکل اور قوت حافظہ غیر معمولی تھی۔ اپنے کاموں کے علاوہ مدتوں وہ امتحان کے دفتر میں بہت سے کام انجام دیتا رہا۔اس دفتر میں کام کرنے کی ذمہ داری ہر شخص کے سپرد نہیں کی جاسکتی تاوقتیکہ اس پر کامل بھروسہ نہ ہو۔ کندن کی ایمانداری اور راست بازی ہر شخص کے نزدیک اتنی مسلم اور مستحکم تھی کہ امتحان کے دفتر ہی کا نہیں دوسرے سرکاری نیم سرکاری اور پرائیویٹ کام بے تکلف سپرد کر دیے جاتے تھے۔ کندن کے بیان پر کوئی جرح نہیں کرتا تھا۔ وہ جو کہہ دیتا لوگ مان لیتے۔ دفتر نے ایک بار بالکل نئی سرکاری بائیسیکل پر اسے بینک یا سنٹرل پوسل آفس کسی ضروری کام سے بھیجا۔ کندن نے آکر بتایا کہ سائیکل کوئی اٹھا لے گیا۔اس کی اطلاع تو احتیاطاً پولیس کو کر دی گئی لیکن یونیورسٹی میں کسی نے کندن سے سوال جواب نہیں کیا۔ یہ بات مان لی گئی کہ سائیکل چوری ہوگئی اور بس۔

امتحان کی کاپیوں کا ایک بنڈل کسی ممتحن کے پتے پر بھیجا گیا' کچھ عرصہ بعد معلوم ہوا کہ ممتحن کو وہ پارسل نہیں ملا۔ وہاں کے ریلوے کے دفتر سے پوچھا گیا تو جواب آیا کہ پارسل سرے سے وصول ہی نہیں ہوا' یہ بہت بڑا اسٹیشن تھا' جہاں کے گودام میں پارسلوں کی ایسی کثرت ہوتی ہے کہ کہیں کوئی گڑبڑ ہو جائے تو کسی خاص پارسل تک رسائی ناممکن ہو جاتی ہے۔اس مہم پر کندن کو مامور کیا گیا۔ اس نے جا کر اسٹیشن پر ادھر ادھر دریافت کیا۔ بابوؤں نے جیسا کہ ان کا قاعدہ ہے کبھی انکار کیا' کبھی ٹالنا چاہا' بالآخر کندن نے وہ تیور اور لہجہ اختیار کیا جو کبھی کبھی بہ درجہ مجبوری وہ یہاں اپنی سفر مینا کے بعض ممبروں سے اختیار کرتا تھا اور کہا کہ پارسل گھر میں چلو میں خود تلاش کرلوں گا۔ یہ آفر یا چیلنج ان کو قبول کرنا پڑا۔اس نے جا کر پارسلوں کے جنگل میں سے اپنا پارسل پہچان کر نکال لیا۔امتحان کا زمانہ تھا' امتحان ہی کے طرح طرح کے بے شمار دوسرے پارسلوں کے علاوہ یکساں رنگ کے معلوم نہیں کتنے اور پارسل کہاں کہاں سے آئے ہوئے تلے اوپر گڈمڈ رکھے ہوں گے۔ان میں سے کندن کا اپنے پارسل کو دریافت کر لینا کتنے اچنبھے کی بات ہے۔

۱۹۴۷ء کی قیامت برپا تھا۔علی گڑھ کے نواح میں قتل غارت گری کی جیسی ہوش ربا خبریں آتی تھیں اور ہر طرف مایوس اور درماندگی کا جو عالم طاری تھا اس کا اندازہ کچھ وہی لوگ کر سکتے ہیں جو اس زمانے میں یہاں تھے۔ کندن کا مکان دودھ پور میں تھا۔ جو

یونیورسٹی سے ملا ہوا ایک مختصر سے گاؤں کی شکل میں اس سڑک کے ہر دو طرف آباد ہے جو یونیورسٹی فارم کو چلی گئی۔ یونیورسٹی کھلی ہوتی تو تقریباً ہر روز کندن سے دوچار ہونے کا اتفاق ہو جاتا۔ پوچھتا کہو کندن کب تک یہ خون خرابا رہے گا۔ گاؤں میں کیا خبر ہے' کندن سر جھکا لیتا جیسے ندامت اور رنج کے بوجھ سے دبا جا رہا ہو۔ کہتا ہجور کالج پر سید صاحب کی دعا ہے۔ سب کھیریت رہے گی۔ کالج کا بڑا نمک کھایا ہے' پرمیسر لاج رکھ لے! اس زمانے میں میں نے کندن سے زیادہ مضطرب یونیورسٹی میں کسی اور ہندو کو نہ پایا جیسے واقعی وہ اپنے آپ کو ''سید صاحب'' کے سامنے جواب دہ سمجھتا ہو۔

اس زمانے میں یونیورسٹی کے ایک مسلمان گھرانے کے بچے دہلی کے ایک ایسے محلے میں گھر گئے جہاں حادثے وقوع میں آ رہے تھے۔ نہ کوئی جا سکتا نہ وہاں سے کوئی باہر نکل سکتا تھا۔ کسی طرح کی مدد کہیں سے پہنچانے کی سبیل نہیں نکلتی تھی۔ علی گڑھ میں خاندان والے جس بے قراری کے عالم میں تھے' وہ بیان سے باہر ہے۔ اس واقعے کا علم کندن کو ہوا تو اس نے بے تکلف اپنی خدمات پیش کر دیں۔ صورت حال ایسی تھی کہ اس مہم میں خود کندن کی جان کا خطرہ کچھ کم نہ تھا لیکن اس نے اس پر بالکل دھیان نہیں دیا۔ اتا پتا دریافت کیا اور بے محابا دلی کی آگ میں کود پڑا۔ سب کو نکالا اور بہ حفاظت تمام علی گڑھ لا کر ان کے گھر پہنچا دیا۔ کیسے کیسے خطرات کا کس دلیری اور عقلمندی سے کہاں کہاں اس نے مقابلہ کیا اس کا ذکر اس نے خود کبھی نہیں کیا' لیکن جن کو چھڑا لایا تھا وہ بتاتے تھے کہ کندن پر کب کیا گزری۔

اسٹریچی ہال کے دائیں بائیں زینے دار دو راستے ہیں۔ ان راستوں کے متوازی آمنے سامنے سہ دریاں ہیں جن کے پہلو میں ایک ایک کوٹھری ہے ان میں سے ایک کندن کے قبضے میں تھی' معلوم نہیں کب سے۔ یونیورسٹی کھلی ہو' ادھر سے گزرے تو کندن اکثر سہ دری میں بیٹھا بیڑی پیتا یا کسی سے بات کرتا ملتا۔ اسٹاف کا کوئی ممبر ہو یا آفس کا کوئی عہدہ دار' دیکھ کر فوراً کھڑا ہو جاتا' سلام کرتا' مزاج پوچھتا' کبھی کبھی یہ بھی پوچھ لیتا کہ کوئی خدمت ہو تو وہ بجالانے پر تیار تھا۔ جب تک دروازے سے گزر نہ جائیں کھڑا رہتا۔ تکریم کے خیال سے بھی اور شاید ذمہ داری کے اس تقاضے کی بنا پر بھی جس کا ممکن ہے نیم شعوری طور پر احساس ہو کہ اس کی عملداری سے آپ خیریت سے خوش خوش گزر جائیں۔

عمر ستر کے لگ بھگ رہی ہوگی۔ شکل سے پچاس سے زیادہ کا معلوم نہیں ہوتا تھا۔ کبھی کبھی اس طرح کا احساس بھی ہوا جیسے کندن کی عمر ایک خاص حد پر آ کر ٹھہر گئی ہو۔ کم سے کم مجھے اس کے قوی شکل وصورت اور رفتار و گفتار میں عرصے سے نمایاں تبدیلی محسوس نہیں ہوئی۔ ممکن ہے جسے روز دیکھتے اور عزیز رکھتے ہوں وہ ایسا ہی معلوم ہوتا ہو۔

درمیانہ قد' گندمی رنگ' پتلا نقشہ' معمولی جثہ' مضبوط جسم' گھنٹے ہی کی طرح بجتی ہوئی پاٹ دار آواز' چہرہ بشرہ شریفانہ اور مردانہ۔ کس بلا کا مستعد اور محنتی شخص تھا۔ نہ دن دیکھتا نہ رات' نہ سردی نہ گرمی' نہ بارش۔ کبھی کوئی کہتا' کندن بوڑھے ہوا تنی محنت نہ کیا کرو تو وہی کلمہ دہرا دیتا جو اس کا تکیہ کلام سا بن گیا تھا یعنی ''ہجور کالج کا نمک کھایا ہے' پرمیشر نباہ دے۔''

آخر زمانے میں کندن نے اپنے لیے ایک بڑا اور اچھا سا گھر بنوانا شروع کر دیا تھا۔ ''کالج کا نمک کھانے کا'' ایک تصرف یہ

بھی ہے کہ ہم میں سے ہر شخص چاہے وہ منصب یا دولت کے اعتبار سے چھوٹا ہو یا بڑا تقریب منانے، تعلیم دلانے اور مکان بنانے کا منصوبہ بڑے ہی پیمانے پر باندھتا ہے۔ ستم یہ کہ اپنا ہی نہیں دوسرے کا کام بھی اس پیمانے پر کرنے کرانے یا دیکھنے کا جی چاہتا ہے۔ اس کا خمیازہ بھی بھگتنا پڑتا ہے لیکن اب تک اس ''حرکت'' سے کسی کو باز آتے نہیں دیکھا گیا۔

کندن کی نظر اور نگرانی میں سرسید کی بنائی ہوئی عمارتیں رہیں۔ اسٹریچی ہال کا وہ تنہا تمام عمر کلید بردار رہا' یہ مضبوط شاندار تاریخی عمارتیں اس کے ذہن و دماغ پر مستولی تھیں۔ زندگی بھر وہ انہی عمارتوں میں بیدار رہا۔ کالج کی تمام تقریبوں کی بساط وہی بچھاتا۔ ظاہر ہے ان عوامل کا اثر اس کے فکر و عمل پر کیسا پڑا ہوگا۔ ''کالج کا نمک کھانے'' کا ایک اور اثر بھی ہے' سب اثروں سے زیادہ کاری اور خطرناک جو کندن کیا' وقت پر سبھی بھول جاتے ہیں یا خاطر میں نہیں لاتے' وہ یہ کہ جتنا بڑا منصوبہ ذہن میں آتا ہے اس کو پورا کرنے کے وسائل اتنے ہی محدود ہوتے ہیں۔ کندن بھی اسی تقدیر کا شکار ہوا۔

تعمیر کے اخراجات آمدنی کی رفتار اور مقدار سے دن بہ دن تیزی سے بڑھنے لگے۔ اسی اعتبار سے فکر اور پریشانی میں اضافہ ہوا۔ اس کے قریب جو لوگ تھے' ان کا بیان ہے کہ اس تعمیر کے چکر میں کندن ادھ موا ہو گیا تھا۔ اقربا کی بے مہری اور سخت گیری نے بقیہ کمی بھی پوری کر دی۔ ایسے میں ایسا ضرور ہوتا ہے۔ سوچنے کی بات ہے نا قابل تسخیر کندن نے کہاں پہنچ کر شکست قبول کی۔

کندن کے بارے میں جیسے خیالات ذہن میں آئے اور جس طرح کے جذبات امڈے ان کی قدر و قیمت کا اندازہ اس طرح کر سکتے ہیں کہ اس کی جن باتوں سے اور مدت العمر کی غیر منقطع وفا شعاری اور فرض شناسی سے جو تاثرات ایک نارمل شخص کے دل میں بے اختیار طاری ہو جاتے ہیں ان کو روکا جا سکتا ہے یا ان سے روگردانی کی جا سکتی ہے یا نہیں۔ اگر نہیں کی جا سکتی تو آج بالکل دنیا کا چاہے جیسا رنگ ڈھنگ ہو کندن کی یاد تازہ رہے گی۔ ہم میں بہت سے ایسے ہوں گے بالخصوص نو وارد جو اس سے واقف نہ ہوں گے' وہ تو خیر گھنٹہ بجانے والا ایک معمولی شخص تھا۔

آج کی دنیا میں یہ بات خاص طور پر دیکھنے میں آتی ہے کہ وہ اتنی دیر تک نئی نہیں رہتی جتنی جلد پرانی ہو جاتی ہے۔ یہ سائنس کے نت نئے انکشافات اور ایجادات کا کرشمہ ہے۔ پرانی دنیا میں زیادہ دیر تک پرانی بنے رہنے کی صلاحیت تھی۔ پرانی دنیا کی یہ بات قابل فخر ہے یا نئی دنیا کی وہ۔ اس پر یہاں کون بحث کرے۔ قابل لحاظ اور قابل فخر تو وہ شخصیتیں ہیں جو نئی پرانی کی قید سے آزاد ہوتی ہیں۔ ایسی ہی ایک شخصیت کندن کی تھی۔

سوچیے۔ بولیے

1. کندن کی قوی شکل وصورت کو دیکھ کر مصنف کو کیا احساس ہوتا تھا؟
2. کندن نے شکست کیسے قبول کی؟

آیئے لسانی استعداد حاصل کریں۔

I. سمجھنا اظہار خیال کرنا

(الف) ذیل کے جملوں کی تشریح متن کے حوالے سے کیجئے۔

1. امتحان کے زمانے میں شروع سے آخر تک یونیورسٹی میں مرزا صاحب' کندن اور سفر مینا پلٹن ایک دوسرے سے جدا نہیں دیکھی گئی۔
2. گھنٹے کی آواز روزمرہ کے اوقات میں اس طرح گھل مل گئی جیسے وہ کہیں باہر سے نہیں' میرے اندر سے آ رہی ہو۔
3. جیسے مغلوں کے ہاں پنج ہزاری یا سہ ہزاری کا منصب دار یا نوابان اودھ کے وثیقہ دار ہوتے تھے اسی طرح مرزا صاحب کے ہاں پنج سیری سے لے کر آدھ سیری تک کے منصب دار ہوتے تھے۔
4. مانگنے والا تو کندن تھا' وہ ہر ایک کی خدمت کر چکا تھا' اس کی کون نہ مانتا۔
5. ''کالج کا نمک کھانے کا'' ایک تصرف یہ بھی ہے کہ ہم میں سے ہر شخص چاہے وہ منصب یا دولت کے اعتبار سے چھوٹا ہو یا بڑا تقریب منانے' تعلیم دلانے اور مکان بنانے کا منصوبہ بڑے ہی پیمانے پر باندھتا ہے۔

(ب) ذیل کے متن کا مطالعہ کیجئے اور سوالوں کے جواب دیجئے۔

دلی کے اکثر دکانداروں میں یہ بات پہلے بھی تھی اور اب بھی ہے کہ وہ گاہکوں کے نمبر کا خیال رکھتے ہیں۔ وار سے سودا دیتے ہیں تاہم خریدار کی مطالبت اور خریداری کی نوعیت سے ان کا یہ قاعدہ ٹوٹ بھی جاتا ہے۔ لیکن گھمی اس اصول کا بڑی مضبوطی سے پابند تھا۔ اس کی نگاہ میں ایک پیسے کے اور ایک روپے کے کباب لینے والا برابر تھا۔ اب اس کا کوئی برا کہے یا اچھا۔ اس کے اس طریق کی کوئی مذمت کرے یا تعریف۔ وہ بڑے سے بڑے موٹر میں بیٹھ کر آنے والے کی پرواہ نہیں کرتا تھا۔ ہم نے اپنی آنکھوں سے سنا ہے کہ ''میاں ایسی جلدی ہے تو کہیں اور سے لے لو میں تو نمبر سے دوں گا۔'' باوجود اس کے کہ میں اس کا لگا بندھا گاہک تھا' اس کو میری خاطر بھی منظور تھی۔ مجھے خاص طور پر زیادہ ہی لگا کر دھیمی آگ پر سینکے ہوئے کباب دیا کرتا تھا لیکن یہ کبھی نہیں ہوا کہ نمبر کے خلاف دیے ہوں۔ ذرا جلدی کی اور اس نے تیوری چڑھا کر کہہ دیا کہ ''حضرت گھمی کو اپنی جنٹلمینی سے نہ دبایئے۔ آپ سے پہلے کا یہ لونڈا کھڑا ہے' اس کی سیخ سینک دوں پھر آپ کا وار ہے۔ دیکھئے یہ آپ کے واسطے لگا رکھی ہے۔'' گھمی کی اس مستقل عادت سے دو چار دفعہ ہمیں تکلیف بھی ہوئی اور برا بھی معلوم ہوا لیکن ایمان کی بات ہے کہ اس جاہل کبابی میں یہ خصلت ایسی تھی کہ ہزاروں پڑھوں لکھوں میں نہیں ہوتی۔ مساوات کا سبق میں اسی دکان پر پڑھا تھا۔

(ج) خالی جگہوں کو پر کیجیے۔

1. اس متن کا مرکزی کردار _____ ہے۔
2. گھمی _____ اصول کا مضبوطی سے پابند تھا۔
3. مصنف کے ساتھ گھمی رعایت کیا کرتا تھا _____
4. مصنف گھمی کی عادت کی تعریف کر رہا ہے؟ _____
5. اس متن کا مناسب عنوان _____ ہوسکتا ہے۔

II۔ زبان شناسی

(الف) لفظیات:

I. ذیل کے الفاظ پڑھیے ان کے ہم معنی الفاظ سبق میں تلاش کر کے لکھیے۔

1. اچانک .....
2. مسلسل .....
3. ترتیب .....
4. بھروسے کے قابل .....
5. حوالے کرنا .....
6. مصیبت .....

III۔ اظہار مافی الضمیر / تخلیقی اظہار

(الف) ذیل کے سوالوں کے جواب 5 تا 6 جملوں میں دیجیے۔

1. مرزا صاحب امتحانات کے انعقاد میں کس اہتمام سے کیا کرتے تھے؟
2. امتحانات کے دوران کندن کی ''ایک شخصی وزارت'' کا مشورہ اور مدد لازمی کیوں سمجھی جاتی تھی؟
3. ساتھی کام کرنے والے کندن کے ساتھ ہمیشہ تعاون کرنے پر کیوں آمادہ رہتے تھے؟

4. رشید احمد صدیقی کی خاکہ نگاری کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟

(ب) ذیل کے سوالوں کے جواب 10 تا 12 جملوں میں دیجئے۔

1. مصنف نے کندن کی انتظامی مہارتوں کی عکاسی کیسے کی ہے؟
2. کندن کی شخصیت کی وہ کون سی خصوصیات ہیں جو آپ کو متاثر کرتی ہیں؟
3. کندن کو گھر بنانے میں کون کون سی دشواریاں پیش آئیں؟
4. اپنے گردوپیش کے کسی ایسے شخص کے بارے میں ایک مضمون تحریر کیجئے جس سے آپ بہت متاثر ہوئے ہوں۔

(ج) تخلیقی انداز میں لکھیے۔

1. آپ کے علاقہ کے کسی سماجی کارکن سے انٹرویو لینے کے لئے سوالنامہ تیار کریں؟

فرہنگ

انکشاف	=	ظاہر ہونا، کسی نئی چیز کی ایجاد
بےمحابا	=	بےخوف، بےدھڑک
بےمہری	=	بےرخی
تصنع	=	بناوٹ، دکھاوا
تفویض کرنا	=	حوالے کرنا
تقریب	=	موقع، فنکشن، کسی مقصد کے تحت لوگوں کا جمع ہونا۔
تلافی	=	نقصان کا بدل
تواضع	=	خاطر مدارت
توقیر	=	عزت، احترام
جرح کرنا	=	فرد مخالف سے سوال کرنا
حلاوت	=	مٹھاس
خاطر جمع رکھنا	=	اطمینان رکھنا
خمیازہ	=	کئے کا بدلہ، مکافات عمل
روگردانی	=	منہ پھیرنا، انکار کرنا

زیست	=	زندگی
سبیل	=	راستہ
شائق	=	شوقین
صف آرا ہونا	=	قطار بندی کرنا
قائل ہونا	=	لاجواب ہونا
کلید بردار	=	چابی رکھنے والا
کوتاہ دستی	=	ہاتھ تنگ رکھنا
مامور ہونا	=	مقرر ہونا
مستولی	=	غالب، چھا جانے والا
مضطرب	=	بے چین، بے قرار
معتبر	=	بھروسے کے قابل، قابل اعتبار
ممتحن	=	امتحان لینے والا
منعقد کرنا	=	نظم کرنا
ناقابل تسخیر	=	قابو میں نہ آنے والا، شکست نہ کھانے والا
نو وارد	=	نیا آنے والا
وثیقہ	=	اقرار نامہ
وظائف	=	وظیفہ کی جمع، پابندی سے کسی کام کو کرنا
ہمہمہ	=	شور، ہلچل

3. دیا سلائی

خواجہ حسن نظامی

مقصد

اس کائنات میں اللہ تعالیٰ نے بے شمار مخلوقات کو پیدا کیا ہے ان میں ہر ایک اپنی جگہ اہمیت کا حامل ہے۔ قدرت کے اس کارخانے میں کوئی شئے بے کار نہیں ہے لیکن انسان اپنی تنگ نظری کی وجہ سے کسی شئے کو اہم اور برتر خیال کرتا ہے تو کسی اور کو کمتر اور ادنیٰ سمجھتا ہے۔ سبق ''دیا سلائی'' کی تدریس کا مقصد ہماری اس خام خیالی کو دور کرنا اور واضح کرنا کہ کوئی بھی شئے غیر اہم اور بے کار نہیں ہوتی۔

صنف کی تعریف و ماخذ

یہ سبق نثری صنف ''انشائیہ'' سے متعلق ہے۔ انشاء کے معنی ''پیدا کرنا'' ہے۔ انشائیہ میں انشائیہ نگار کسی خاص موضوع کے بارے میں، خیالات و جذبات کے اظہار میں عام الفاظ کی مدد سے ایسی برقی رو دوڑا دیتا ہے کہ ہر لفظ ایک نئی معنویت کا حامل بن جاتا ہے۔ طرز بیان میں تازگی انشائیہ کا اہم عنصر ہوتا ہے۔

انشائیہ کی صنف میں بڑی لچک اور اس کے موضوعات میں بڑی ہمہ گیری اور وسعت ہوتی ہے۔ یہ صنف ذہنی بیداری اور سماجی حربے کے طور پر بھی استعمال ہوتی ہے۔ سبق ''دیا سلائی'' خواجہ حسن نظامی کی تصنیف ''سی پارۂ دل'' (حصہ اول) سے ماخوذ ہے۔

مصنف کا تعارف

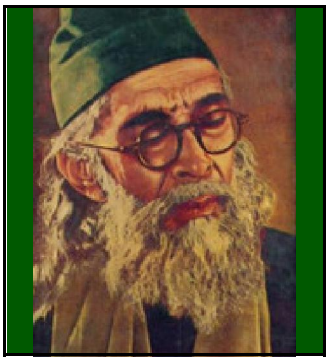

خواجہ حسن نظامی 25 ڈسمبر 1878ء کو دہلی میں پیدا ہوئے۔ بچپن ہی سے تصنیف و تالیف کا شوق تھا۔ پہلا مضمون ''انڈیا کی نازک حالت'' انڈیا گزٹ میں شائع ہوا۔ اردو زبان و ادب میں ان کا مرتبہ بہت بلند ہے، انہیں ''مصور فطرت'' کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔

ان کے مضامین کی خصوصیت یہ ہے کہ ان میں سے اکثر نہایت ہی معمولی چیزوں پر لکھے گئے ہیں لیکن خواجہ صاحب نے بات سے بات پیدا کر کے ان چھوٹی چھوٹی چیزوں سے جو مطالب

نکالے ہیں وہ بڑے سبق آموز ہیں۔ان کا اسلوب سلیس، عام فہم، شگفتہ اور اثر انگیز ہے۔وہ چھوٹے چھوٹے سلیس مقفع اور بلیغ جملوں سے مطالب ادا کرنے پر قادر ہیں۔انہوں نے کئی کتابیں لکھیں جن میں ''غدر دلی کے افسانے''اور''سی پارہ دل'' کافی مشہور ہیں۔ان کے علاوہ ''بیگمات کے آنسو'' بیوی کی تعلیم، سفرنامہ حجاز، طمانچہ بہ رخسار یزید وغیرہ شامل ہیں۔1946ء میں حکومت برطانیہ نے انہیں ادبی خدمات کے صلے میں شمس العلماء کا خطاب عطا کیا۔31 جولائی 1955ء کو دہلی میں ان کا انتقال ہوا۔احاطہ نظام الدین اولیاء میں دفن ہوئے۔

ابتدائیہ

ایک دن کسی پہاڑ نے گلہری سے کہا کہ تجھے شرم ہو تو پانی میں ڈوب مر ذرا سی ہو،اس پر عقل، سمجھ اور شعور کا ایسا غرور کہ خود کو باتمیز اور قابل قدر سمجھ رکھا ہے۔میری بڑائی کے آگے تیری کوئی حیثیت نہیں۔جو بڑائی اور خوبی مجھ میں ہے وہ تجھے نصیب نہیں۔پہاڑ کی یہ غرور بھری باتیں سن کر گلہری نے کہا کہ یہ سب بیکار باتیں ہیں انہیں دل میں جگہ نہیں دینا چاہئے۔میں تیری طرح بڑی نہیں تو کیا ہوا۔اتنا بڑا ہو کر بھی ایک قدم اٹھانے کی تجھ میں طاقت نہیں۔تو صرف جسامت میں بڑا ہے اس کے علاوہ تجھ میں اور کیا خوبی ہے۔اتنا بڑا ہو کر ایک چھالیہ تک نہیں توڑ سکتا۔آخر میں گلہری نصیحت کرتی ہے کہ ہر چیز کو خدا نے پیدا کیا کسی کو بڑا اور کسی کو چھوٹا۔قدرت کے اتنے بڑے کارخانے میں کوئی چیز بھی بے کار نہیں۔

خواجہ حسن نظامی نے بھی اس انشائیہ میں ''دیا سلائی'' جیسی معمولی چیز کی زبانی اس حقیقت کو اجاگر کیا کہ دنیا میں کوئی شئے بھی بے کار و بے حقیقت نہیں۔آیئے ان کے انشائیہ ''دیا سلائی'' پڑھ کر لطف لیتے ہیں۔

I

(احمد آباد گجرات کے کارخانہ دیا سلائی اسلامیہ میچ فیکٹری کو دیکھ کر رسالہ زبان ۱۹۰۹ میں لکھا۔)

آپ کون؟ ناچیز تنکہ۔ اسم شریف؟ لوگ ''دیا سلائی'' کہتے ہیں۔ دولت خانہ؟ جناب دولت نہ خانہ اصلی گھر جنگل ویرانہ تھا۔مگر چند روز سے ''احمد آباد'' میں بستی بسائی ہے۔اور سچ پوچھئے تو یہ لکڑی کا ننھا سا ''کاغذی ہوٹل'' جس کو آپ بکس کہتے ہیں اور جو آپ کی انگلیوں میں دبا ہوا ہے میرا موجودہ ٹھکانا ہے۔

یہ ''احمد آباد'' ناروے یا سویڈن کے پاس کوئی نیا مقام ہے۔کیونکہ آپ کی بستیاں تو انہی علاقوں میں سنی جاتی ہیں۔

نہیں جناب ''احمد آباد'' ہندوستان میں ہے۔آپ دیکھتے نہیں میری رنگت۔ یہ اسی ملک کی نشانی ہے ورنہ ناروے سویڈن کی دیا سلائی گوری چٹی ہوتی ہے۔مجھ غریب کو اس سے کیا نسبت۔

آہا۔تو آپ ہمارے ملک کی دیا سلائی ہیں۔تب تو گو آپ کا رنگ سانولا ہو مگر ہماری نگاہ میں سب دیا سلائیوں کے ''رانی'' ہو۔! ذرا مہربانی کر کے مجھ کو ''رانی'' نہ فرمایئے ''بیگم'' کہئے! میں نے مسلمانوں کے گھر میں جنم لیا ہے۔

بہت اچھا میاں تنکے ناراض نہ ہو۔اللہ اکبر تم کو بھی یہ دن لگے۔کہ ''رانی'' اور ''بیگم'' میں تمیز کرتے ہو۔'' کے آمدی کئے پیر مرشدی'' وہ وقت بھول گئی کہ زنجیروں میں باندھ کر مشین کے آرے کے نیچے رکھے جاتے تھے۔اور آرا آن کی آن میں تمہارے ٹکڑے کر ڈالتا تھا۔اس کے بعد جیسی گت بنتی تھی وہ خود خیال کر کے گریبان میں منہ ڈال سکتے ہو۔تمہارے تراشیدہ کندوں کا ظلماتی گرم چشمہ میں ڈالا جانا اور اس کھولتے ہوئے پانی میں تمہارا تلملانا۔کبھی سطح آب پر آنا کبھی پھرتہ میں جا پڑنا۔ یہاں تک کہ اسی داروگیر اور پیچ وتاب میں تمہاری کھال تک اتر جاتی تھی اس وقت کچھ دیر کے لئے تم کو باہر نکال کے دم دیا جاتا تھا۔اس کے بعد پھر مشین میں کس دیا جاتا تھا اور مشین چھیل چھیل کے تمہارے لمبے لمبے پرت بنا دیتی تھی۔اور وہ پھر پرت دوسری کل میں ڈال کر کترے جاتے تھے۔اس طرح اس حرکت میں تم جیسی ہزاروں ہستیاں عالم وجود میں آجاتی تھیں۔زرد گندھک اور سرخ مصالح کا لباس بھی کچھ عزت سے نہیں پہنایا جاتا تھا۔ بلکہ سرنگوں کر کے گرم گرم گندھک اور مصالح میں تمہاری ناک ڈبودی جاتی۔اس پر یہ مزاج! کہ بیگم کہلانے کی آرزو۔کچھی کی ڈبیا میں رہتے رہتے یہ دماغ ہو گیا! ابھی کوئی شخص بکس کی کالی مٹی سے منڈیار گڑ کر پھینک دے گا۔پھر جو آئے گا پاؤں میں مسلتا آئے گا۔

سوچیے۔بولیے

1. تنکے کی ناراضگی کی وجہ کیا تھی؟
2. مصنف نے دیا سلائی کی بے عزتی کس طرح کی؟ بیان کریں۔

II

حضرت! آپ کو تو غصہ آ گیا خفگی کی کیا بات ہے جو چیز جہاں ہوا سی سے منسوب ہوتی ہے میں مسلمانوں کی خانہ زاد ہوں۔اگر ''رانی'' کے مقابلہ میں ''بیگم'' کے لفظ کو پسند کروں گی تو کیا گناہ ہے۔ یہ سب نام کی بحث ہے کام دیکھنا چاہئے۔سو جیسا مسلمانوں کا کام کرتی ہوں بے کم وکاست ہندوؤں کا بھی بجالاتی ہوں یہاں تک کہ میرے مشرب میں دیسی بدیسی گورے کالے کا فرق بھی جائز نہیں۔مندر میں بھی میرے دم سے روشنی ہے اور مسجد میں بھی۔راجہ اور نواب کے محل کی تاریکی بھی دور کرتی ہوں اور ایک غریب کے جھونپڑے میں بھی میرے سبب اجالا ہوتا ہے۔رہی یہ بات کہ بے حقیقت ہوں اور بے بسی کے عالم میں انسانی کلوں سے عرصہ تک

بیکل رہی ہوں تو یہ کچھ مجھ ہی پر منحصر نہیں۔آپ پر بھی یہ بپتا پڑ چکی ہو۔ بلکہ آپ کی مجھ سے زیادہ درگت ہوئی ہے۔کیا یاد نہیں کہ پریم کی آری نے شجر راز سے کاٹا اور نو مہینے شکم مادر کے چشمہ میں آپ بھی جوش کھاتے رہے اور پھر برسوں پرت در پرت کے چکر میں گردش رہی۔میرے ''رانی'' اور ''بیگم'' کے لفظ سے اتنے چونکے۔ذرا اپنی ہٹ دھرمی کو دیکھئے کہ فقط نام اور لفظ کے فرق سے آپ کے کاموں میں بھی فرق پڑ جاتا ہے۔جو کالا کرتا ہے وہ گورا کرنا نہیں چاہتا۔جو مسلمان کو پسند ہو اس سے ہندو کو نفرت ہے اور غریب و کمزور ہونا تو گویا دائرۂ آدمیت سے خارج ہو جانا ہے۔اس کو دنیا میں رہنے اور انسان کہلانے کا کوئی حق باقی نہیں رہتا ہے۔

بس بس خاموش رہو بی فتنی۔ہو تو اتنی ذرا سی مگر زبان بارہ ہاتھ کی ہے۔لگیں حد سے گزرنے۔تم کیا جانو کہ آدم زاد کی کیا عالی شان ہے؟ مسلمانوں کے گھر میں پیدا ہوئی ہو تو قرآن میں سنا ہوگا کہ خدا نے آدمی کو زمین میں اپنا خلیفہ بنایا ہے۔اور تمام اسرار کا علم اس کو بخشا ہے بس یہ جو کچھ کرتا ہے عین منشائے الٰہی کے مطابق کرتا ہے۔کیونکہ سب کاموں کی حقیقت اس کو معلوم ہے۔

اوہو! آپ کو یہ غرہ بھی ہے۔بیشک آپ خلیفہ خدا ہیں۔مگر سب چیزوں کی حقیقت آپ کو معلوم نہیں۔قرآن میں تو یہ آیا ہے کہ ''آدمی کو سب چیزوں کے نام بتائے گئے ہیں'' یہ کہاں ہے؟ کہ اصلیت بھی بتادی ہے اگر اصلیت و حقیقت معلوم ہے تو بتاؤ؟'' بجلی کیا چیز ہے؟'' وہ تو غلاموں کی طرح آپ کی خدمت کرتی ہے اور اس کی تابعداری پر آپ کو گھمنڈ بھی بہت بڑا ہے مگر آج تک آپ کو یہ خبر نہیں کہ یہ کیا چیز ہے! اور چند حرکتوں سے کیونکر ظاہر ہو جاتی ہے؟

خیر بجلی تو بڑی چیز ہے تنکہ کے اسرار سے بھی آپ ناواقف ہیں کہ ذرا سی رگڑ میں یہ نورانی شعلہ کہاں سے آجاتا ہے۔محض غلط ارشاد ہے کہ آپ کے سب کام عین مرضی الٰہی کے مطابق ہو جاتے ہیں۔خدا کی ہوا عام ہے پانی اور روشنی عام ہے۔جنگل اور دریا عام ہیں۔مگر آپ کی ذات شریف ان سب چیزوں کو اپنے لئے مخصوص کر لینا چاہتی ہے۔آپ کی خواہش ہوتی ہے کہ روٹی۔پانی۔ہوا سب میرے قبضہ میں ہوں جس کو چاہوں دوں اور جس کو چاہوں محروم کر دوں۔

ایک آدمی کروڑوں روپے خزانوں میں بند رکھتا ہے اور لاکھوں آدمی بھوک سے مر جاتے ہیں مگر وہ خود غرض کچھ پرواہ نہیں کرتا۔اپنی ہوس اور طمع کے جوش میں نام اور شان کے شوق میں لاکھوں ہم جنسوں کو فنا کر ڈالتا ہے تو کیا خدائی خلافت کا ان ہی اعمال سے دعویٰ کیا جاتا ہے اور کیا یہ باتیں منشاء پروردگار کے موافق ہیں حضرت آپ ہزاروں لاکھوں سجدے کرتے ہیں مگر آپ کا سرکش وجود ویسا کا ویسا ہی باقی موجود رہتا ہے۔مجھ کو دیکھئے کہ ''ایک ہی سجدے میں مقبول ہو جاتی ہوں اور تجلی اس چھوٹی سی شکل کو جلا کر خاک کر دیتی ہے۔''

خدا تمہاری طرار زبان کو چلا تا رکھے میں ہار اتم جیتیں۔اچھا تو لاؤ اندھیرا زیادہ ہو گیا۔مرے کلبۂ تاریک کو تجلی راز سے روشن کر دو۔

سوچیے۔بولیے

1. دیا سلائی نے اپنے روادار ہونے کا کیا ثبوت دیا؟
2. ''خدا نے آدمی کو اپنا خلیفہ بنایا ہے'' کی وضاحت کریں۔

آیئے لسانی استعداد حاصل کریں۔

I۔ سمجھنا۔اظہار خیال کرنا

(الف) دئے گئے جملوں کی بحوالہ متن تشریح کیجئے۔

1۔ اوہو! آپ کو یہ غرہ بھی ہے۔ بیشک آپ خلیفہ خدا ہیں''

2۔ بس بس خاموش رہو بی فتنی' ہوتو اتنی ذراسی مگر زبان بارہ ہاتھ کی۔

(ب) دیے گئے متن کا بغور مطالعہ کریں اور سوالوں کے جواب دیجئے۔

طاعون نے گڑ بڑ مچائی تو انسان نے کہا کہ طاعون مچھر اور پسو کے ذریعہ پھیلتا ہے۔ ان کو فنا کر دیا جائے تو یہ ہولناک بلا دور ہو جائے گی۔ ملیریا پھیلا تو اسکا الزام بھی مچھر پر عائد ہوا۔ اس سرے سے اس سرے تک کالے گورے آدمی غل مچانے لگے کہ مچھروں کو مٹا دو۔ مچھروں کو کچل ڈالو۔ مچھروں کو تہس نہس کر دو اور ایسی تدبیریں نکالیں جن سے مچھروں کی نسل ہی منقطع ہو جائے۔

انسان کہتا تھا کہ مچھر بڑا کم ذات ہے۔ کوڑے کرکٹ میل کچیل سے پیدا ہوتا ہے اور گندی موریوں میں زندگی بسر کرتا ہے اور بزدلی کو دیکھو اس وقت حملہ کرتا ہے جب کہ ہم سو جاتے ہیں۔ سوتے پر وار کرنا' بے خبر کے چرکا لگانا' مردانگی نہیں' انتہائی درجہ کی کمینگی ہے۔ صورت تو دیکھو کالا بھتنا لمبے لمبے پاؤں' بے ڈول چہرہ' اس شان وشوکت کا وجود اور آدمی جیسے گورے چٹے خوش وضع پیاری ادا سے دشمنی ہے۔ بے عقلی اور جہالت اسی کو کہتے ہیں۔

(ج) درج ذیل سوالوں کے جواب دیجیے۔

1. اس متن میں ہولناک بلا کسے کہا گیا ہے؟
2. مچھروں کی نسل کو منقطع کرنے کی تدبیریں نکالنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟
3. انسان نے مچھر کو بزدل کیوں قرار دیا؟
4. مچھر کی بے عقلی اور جہالت کا اظہار کس بات سے ہوتا ہے؟
5. بقا کی ضد اس متن میں استعمال ہوئی ہے تلاش کر کے لکھیں۔

II۔ زبان شناسی

(الف) لفظیات

I. دیے گئے محاوروں کو جملوں میں استعمال کریں۔

	محاورے	جملے
1.	گریبان میں منہ ڈالنا	.....
2.	آن کی آن	.....
3.	پیچ وتاب کھانا	.....
4.	سرنگوں کرنا	.....
5.	دماغ ہونا	.....
6.	گت بننا	.....
7.	بپتا پڑنا	.....
8.	زبان بارہ ہاتھ کی	.....

III۔ اظہار مافی الضمیر / تخلیقی اظہار

(الف) ذیل کے سوالوں کے جواب 5 تا 6 جملوں میں دیجئے۔

(الف) دیے گئے سوالوں کے جواب 5 تا 6 جملوں میں لکھئے۔

1. دیا سلائی نے ایسا کیوں کہا کہ ''مسلمانوں کے گھر میں جنم لیا ہے'' وضاحت کریں۔
2. دیا سلائی نے انسان کی ہٹ دھرمی کا اظہار کس طرح کیا ہے؟
3. دیا سلائی نے لالچ کو کن الفاظ میں بیان کیا ہے؟

(ب) ذیل کے سوالوں کے جواب 10 تا 12 جملوں میں دیجئے۔

1. دیا سلائی نے انسان کے غرور کا جواب کس طرح دیا تفصیل سے لکھیں۔
2. مصنف نے دیا سلائی کی توہین کی کیوں؟ وضاحت کے ساتھ بیان کریں۔

(ج) تخلیقی انداز میں لکھنا۔

1. جنگل کی حفاظت کے تعلق سے آپ کو کچھ شکوک ہیں۔ ان شکوک کو دور کرنے کی غرض سے آپ نے فارسٹ آفیسر سے گفتگو کی اس گفتگو کو مکالمہ کی شکل میں لکھئے۔

آپ: .....

فاریسٹ آفیسر: .....

آپ: .....

فاریسٹ آفیسر: .....

آپ: .....

فاریسٹ آفیسر: .....

آپ: .....

فاریسٹ آفیسر: .....

آپ: .....

فاریسٹ آفیسر: .....

آپ: .....

فاریسٹ آفیسر: .....

فرہنگ

آن کی آن = دم بھر میں

اعمال = عمل کی جمع رکام

پیچ وتاب = بے قراری بے چینی

تراشیدہ = کٹا ہوا رایجاد کردہ

تابعداری = اطاعت رفرمابرداری

تجلی = چمکنا رظاہر ہونا

داروگیر = پریشانی رالجھن

دم دینا = سکھانا رہوا دینا' خشک کرنا

دعویٰ = غرور رمقابلہ

سرنگوں = سر کے بل راوندھا

سرکش = نافرمان

شکم مادر = ماں کے پیٹ

طمع = لالچ

طرارزبان = تیز زبان رہبت زیادہ زبان چلانا

عین منشاءالٰہی = اللہ کی مرضی رضائے الٰہی

غرہ = غرور

کل = مشنری رکارخانہ

کلبہ = چھوٹا گھر

گھمنڈ = غرور

گت بننا = حالت بگڑنا ردرگت بننا

گریبان میں منہ ڈالنا = اپنے قصور پر شرمندہ ہونا

منسوب = نسبت کرنا رجڑا ہوا

مشرب = مذہب رمسلک

4. بلٹ ٹرین میں کبھی نہ بیٹھو

مجتبیٰ حسین

مقصد

مجتبیٰ حسین کا شمار اردو کے صف اول کے مزاح نگاروں میں ہوتا ہے۔ مضمون ''بلٹ ٹرین میں کبھی نہ بیٹھو'' میں انہوں نے جاپان کی بلٹ ٹرین کی سہولیات اور تیز رفتاری کا ذکر کیا ہے ساتھ ہی ہندوستانی ریلوں کے دشوار کن سفر کے تجربات بہترین انداز میں پیش کئے ہیں۔ اس سبق کا مقصد بچوں میں جمالیاتی ذوق کا فروغ، طنز و مزاح اور تہذیب و تمدن سے واقف کروانا ہے۔ اس کے علاوہ طلباء میں اس طرح کی تحریروں کو پڑھنے اور لکھنے کی صلاحیت کو فروغ دینا ہے۔

صنف کی تعریف / ماخذ

سفر نامہ ایک ایسی تحریر ہوتی ہے جس میں لکھنے والا اپنے سفر کی ساری روداد بیان کرتا ہے وہاں کے موسم، افراد، اہم یادگاروں، طرز زندگی، رسوم و رواج کے علاوہ وہاں پیش آئے ذاتی تجربات، مشاہدات، شخصی ملاقاتوں غرض وہاں کے سماجی، سیاسی، معاشرتی اور مذہبی حالات اور انسانی رویوں کے ذکر سے اپنی تحریر کو دلکش بناتا ہے۔ اردو نثر کے سرمایہ میں سفر ناموں کا اچھا خاصہ ذخیرہ موجود ہے۔ ابن بطوطہ اور سند باد جہازی کے سفر نامے مشہور ہیں۔ ''بلٹ ٹرین میں کبھی نہ بیٹھو'' مجتبیٰ حسین کے سفر نامے ''جاپان چلو جاپان چلو'' سے ماخوذ ہے۔

مصنف کا تعارف

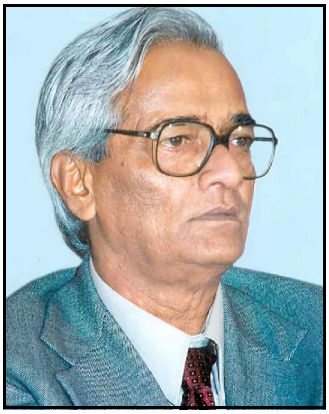

مجتبیٰ حسین 15/جولائی 1936ء کو ضلع گلبرگہ (کرناٹک) میں پیدا ہوئے۔ 1956 میں عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد سے بی۔اے کیا۔ انہوں نے اپنے ادبی سفر کا آغاز روزنامہ سیاست میں مزاحیہ کالم سے کیا۔ 1972 میں حیدرآباد سے دہلی منتقل ہوئے اور NCERT سے وابستہ ہوئے۔ جہاں سے 1991 میں بحیثیت ایڈیٹر سبکدوش ہوئے۔ مجتبیٰ حسین نے مضامین، خاکے، کالم اور سفر نامے تحریر کئے ہیں۔ 2007 میں ان کو پدم شری ایوارڈ سے نوازا گیا۔ مجتبیٰ حسین کا انتقال 27/مئی 2020 کو حیدرآباد میں ہوا۔

ابتدائیہ

بچو! مجتبیٰ حسین ایک تربیتی کورس میں شرکت کی غرض سے جاپان گئے تھے۔ یہ ان کا سرکاری دورہ تھا۔ اس دوران انہوں نے سفرنامہ ''جاپان چلو جاپان چلو'' تحریر کیا۔ اس کا ایک باب ''بلٹ ٹرین میں کبھی نہ بیٹھو'' آپ کے نصاب میں شامل ہے۔ اس مضمون میں مجتبیٰ حسین نے بلٹ ٹرین کا تقابل ہندوستانی ریل سے کیا ہے۔ اس دلچسپ تحریر میں مصنف نے مزاحیہ انداز میں ہندوستانی ٹرینوں کے وقت پر نہ آنے' مسافروں کا شور' نشستوں کے لئے جھگڑے اور تکرار' ٹرینوں میں سہولتوں کی عدم دستیابی اور ہندوستانی مسافروں کے سامان سفر کے ساتھ تاخیر سے اسٹیشن پہنچنے۔ ساتھ ہی ساتھ جاپان کی بلٹ ٹرین میں موجود تمام سہولتوں اور وقت کی پابندی کا ذکر کس انداز میں کیا ہے۔ آیئے جانیں گے۔

I

صاحبو! جب سے جاپان آئے ہیں ہمیں اپنے وطن کی ریل گاڑیاں شدت سے یاد آرہی ہیں۔ ٹوکیو میں ہماری آوارہ گردی کا واحد ذریعہ جاپانی ٹرینیں ہی ہیں۔ یوں بھی سارا جاپان ٹرینوں میں بھاگتا پھرتا ہے۔ ہم بھی ایک ٹرین سے اترتے ہیں تو دوسری میں سوار ہو جاتے ہیں۔ دوسری سے اترتے ہیں تو تیسری میں گھس جاتے ہیں۔ اب تو خیر ہمیں ان ٹرینوں میں بیٹھنے کی عادت ہوگئی ہے۔ ابتدا میں ان میں بیٹھتے ہوئے ڈر لگتا تھا۔ اس لئے کہ یہ ٹرینیں کسی بھی اسٹیشن پر ایک منٹ سے زیادہ نہیں ٹھہرتیں۔ ادھر ٹرین رکتی ہے اور ادھر ساری ٹرین کے دروازے خود بخود کھل جاتے ہیں۔ اترنے والے اتر جاتے ہیں اور ٹرین میں چڑھنے والے چڑھ جاتے ہیں اور پھر دروازے خود بخود بند ہو جاتے ہیں۔ ہمیں اکثر یہ ڈر ہوتا تھا کہ اگر ہمارا ایک پاؤں ڈبے میں اور دوسرا پاؤں پلیٹ فارم پر ہو اور ایسے میں ڈبے کا دروازہ خود بخود بند ہو جائے تو ہمارا جو ہونا ہے سو ہو جائے گا مگر ہمارے بال بچوں کا کیا ہوگا۔ لیکن جاپانی ٹرینیں بڑی سمجھدار ہوتی ہیں۔ مسافر کا اتنا خیال رکھتی ہیں کہ سفر کرنے کا لطف ہی نہیں آتا۔ ہم جب تک پوری طرح ڈبے میں داخل نہیں ہو جاتے تب تک ٹرین کے دروازے بند نہیں ہوتے۔ ٹوکیو میں زیادہ تر ٹرینیں خانگی ریلوے کمپنیاں چلاتی ہیں۔ حکومت کی طرف سے بھی ایک ٹرین چلائی جاتی ہے لیکن اس میں لوگ ذرا کم ہی بیٹھتے ہیں۔ کیوں کہ سرکاری ٹرین ہونے کی وجہ سے اس کا کرایہ دوسری ٹرینوں کے مقابلے میں زیادہ ہوتا ہے اور کارگزاری بھی کچھ ایسی ویسی ہی ہوتی ہے۔ ہر کمپنی کی ٹرین کا رنگ مختلف ہوتا ہے۔ نیلی' پیلی' لال' ہری' مٹیالی غرض ہر رنگ کی ٹرین ہوتی ہے۔ کچھ ریل گاڑیاں زمین کے اوپر چلتی ہیں اور اکثر زمین کے نیچے چلتی ہیں۔ ٹوکیو زمین کے اوپر جتنا آباد ہے اتنا ہی زمین کے نیچے بھی آباد ہے۔ کئی بڑے اسٹیشن زمین کے نیچے آباد ہیں۔

جاپان کی ریل گاڑیاں دنیا کی ترقی یافتہ ریل گاڑیاں سمجھی جاتی ہیں۔ لیکن پھر بھی ہماری ریل گاڑیوں کا مقابلہ نہیں

کرسکتیں۔ ہماری ریل گاڑیوں میں جوسہولتیں دستیاب ہیں وہ جاپانی ریل گاڑیوں میں ہرگزنہیں ہیں۔مثال کے طور پر ہم اپنے وطن کی گاڑیوں میں اکثر دروازے سے لگے ہوئے ڈنڈے سے لٹک کرسفر کرتے ہیں تو بڑا لطف آتا ہے۔ یہ سہولت جاپانی ریل گاڑی میں بالکل نہیں ہے۔ہم جب بھی ٹرین کا سفر کرتے ہیں تو اپنی بش شرٹ یا پتلون ضرور پھڑوا لیتے ہیں۔ یہ سہولت بھی جاپانی ٹرین میں نہیں ہے۔ پھر جاپانی ٹرینوں کے مسافر بھی بڑے بداخلاق ہوتے ہیں۔کسی سے کوئی بات نہیں کرتے۔ بھلا یہ سفر کرنے کا کوئی طریقہ ہوا۔ہم جاپانی ٹرینوں میں پچھلے ایک مہینے سے سفر کررہے ہیں۔کسی مسافر نے پلٹ کر یہ نہیں پوچھا میاں کہاں رہتے ہو؟ کہاں جارہے ہو؟ بال بچے کتنے ہیں؟ کتنے بچوں کی شادیاں ہوچکی ہیں؟ آپ کے شہر میں پیاز کا کیا بھاؤ ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔ جاپانی لوگ ٹرین میں سفر کرتے وقت 'مون برت' رکھ لیتے ہیں۔ پلیٹ فارم پر کھڑے کھڑے کتابیں پڑھتے رہتے ہیں۔ٹرین آتی ہے تو کتاب میں انگلی رکھ کر ٹرین میں گھس جاتے ہیں اور سیٹ پر بیٹھتے ہی پھر کتاب کھول کر پڑھنے میں مصروف ہوجاتے ہیں۔ ہمیں اکثر یوں محسوس ہوتا ہے جیسے ہم کسی لائبریری میں بیٹھے ہیں اور لائبریری کے نیچے پہیے لگادئے گئے ہیں۔ جاپانی یا تو پڑھتے ہیں یا لکھتے ہیں۔ بات بہت کم کرتے ہیں۔انہیں کون سمجھائے کہ میاں ریل گاڑیوں میں لوگ چہرے پڑھتے ہیں' کتابیں نہیں پڑھتے۔ایک دوسرے کی خیریت دریافت کرتے ہیں اور حالات حاضرہ پر تبصرہ کرتے ہیں۔ جاپانیوں کو سفر کرنا بالکل نہیں آتا۔اس معاملے میں یہ ہم سے بہت پیچھے ہیں۔صرف آرام دہ ریل گاڑیاں بنانے سے کچھ بھی نہیں ہوتا۔سفر کرنے کے کچھ آداب بھی ہوتے ہیں جن سے جاپانی بالکل واقف نہیں ہیں۔ہمیں جاپانی ریل گاڑیوں سے یہ شکایت بھی ہے کہ یہ بہت ٹھیک وقت پر چلتی ہیں۔انتظار میں جو لذت ہوتی ہے اس کا مزہ جاپانیوں کو کیا معلوم۔ایسے ہی کئی معاملات ہیں جن میں جاپانی ہم سے بہت پیچھے ہیں۔آپ یقین کریں کہ ہمیں ٹوکیو میں کسی بھی اسٹیشن پر ٹرین کے لئے دو منٹ سے زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا۔ایک ٹرین جاتی ہے تو دوسری اس کے پیچھے آجاتی ہے۔اور پھر ان کی رفتار بھی ایسی تیز کہ آدمی کا کلیجہ منہ کو آجائے۔ پتہ نہیں انہیں کہاں جانے کی جلدی ہوتی ہے۔ ہماری ریل گاڑیاں اسٹیشن میں داخل ہونے سے پہلے بیرونی سگنل کے پاس ضرور رکتی ہیں۔سیٹیاں بجاتی ہیں اور مسافر کھڑکیوں میں سے جھانک جھانک کر سگنل کو دیکھتے ہیں۔کتنا مزہ آتا ہے' لگتا ہے جاپانی ریل گاڑیوں کا کوئی سگنل ہی نہیں ہوتا۔بس منہ اٹھائے کسی بھی اسٹیشن میں گھس جاتی ہیں۔

سوچیے۔بولیے

1. مصنف نے جاپانی ٹرینوں کو سمجھدار کیوں کہا ہے؟
2. جاپانی ریل گاڑی دنیا کی ترقی یافتہ ریل گاڑی کیوں سمجھی جاتی ہے؟

II

ہم نے جاپان کی بلٹ ٹرین کی شہرت بہت سنی تھی۔اس میں بھی سفر کر کے دیکھ لیا بالکل واہیات گاڑی ہے۔ہمیں بلٹ ٹرین میں بیٹھ کر کیوٹو جانا تھا۔ یونیسکو کے عہدیدار شنجی تاجما سے کیوٹو کا فاصلہ پوچھا۔معلوم ہوا کہ تقریباً پانچ سو کیلومیٹر سے کچھ اوپر کا فاصلہ ہے۔اب آدمی اتنے لمبے سفر پر جاتا ہے تو سفر کی تیاریاں بھی کرتا ہے۔ہم نے پوچھا اتنا لمبا سفر ہے بستر بند بھی ساتھ رکھ لیں۔شنجی تاجما نے ہنس کر کہا ''اس میں سونے کی جگہ ہی کہاں ہوتی ہے کہ آپ اپنا بستر لگا سکیں۔''

پوچھا ''راستہ میں پانی کے لئے صراحی یا لوٹا رکھ لیں؟''

تاجما نے کہا ''پانی آپ کو ٹرین میں مل جائے گا۔''

پوچھا ''اور توشہ دان کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟''

تاجما نے کہا ''صبح ناشتہ کر کے ٹوکیو سے چلیں گے۔دوپہر کا کھانا کیوٹو میں کھالیں گے۔''

ہم نے کہا ''یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ہمارے ہاں چھ سو کیلومیٹر کے فاصلے والے سفر کے لئے کم از کم دو وقت کا کھانا' پانی بھری ہوئی ایک صراحی' ایک لوٹا' ایک بستر بند اور دو تکیے رکھنا ضروری ہوتا ہے۔''

شنجی تاجما چونکہ ہندوستان میں ایک سال رہ چکے ہیں اور ہماری ٹرینوں میں سفر کا خاصہ لمبا تجربہ رکھتے ہیں اس لئے شرما کر بولے ''مجھے آپ کی مجبوری کا اندازہ ہے۔ہندوستان میں سفر کا لطف ہی کچھ اور ہے۔مجھے ایک بار' آپ کی ٹرین میں چالیس گھنٹوں تک بیٹھنے کا اتفاق ہوا تھا۔ان چالیس گھنٹوں میں میرے ساتھی مسافر کی دو صراحیاں ٹوٹی تھیں اور سارے ڈبے میں جل تھل ہو گیا تھا۔ہر اسٹیشن پر اتر کر لوٹوں میں پانی بھرنے کا مزہ ہی کچھ اور ہوتا ہے۔ہماری ٹرینوں میں یہ سہولت نہیں ہوتی۔''

ہمیں بتایا گیا تھا کہ کیوٹو جانے کے لئے ٹوکیو سنٹرل اسٹیشن سے بلٹ ٹرین ٹھیک آٹھ بج کر اکتالیس منٹ پر نکلے گی۔ہم نے سوچا یہ صرف ایک دھونس ہے جو ہم پر جمائی جارہی ہے۔بھلا کون سی ٹرین وقت پر چلتی ہے۔ہم ٹوکیو سنٹرل اسٹیشن پر پہنچے تو ساڑھے آٹھ بج چکے تھے اور بلٹ ٹرین کا دور دور تک کوئی پتہ نہ تھا۔ہم نے تاجما کو چھیڑنے کے انداز میں کہا ''حضرت وہ جو بلٹ ٹرین ۸ بج کر ۴۱ منٹ پر چلنے والی تھی وہ کہاں ہے؟''

تاجما نے کہا بس آتی ہی ہوگی۔ٹھیک آٹھ بج کر پینتیس منٹ پر بلٹ ٹرین پلیٹ فارم پر نمودار ہوئی۔اس کا انجن ہوائی جہاز کی شک کا ہوتا ہے۔دیکھنے میں بہت خوبصورت ہوتی ہے۔اس میں سولہ ڈبے لگے ہوئے تھے۔ساری ٹرین ایر کنڈیشنڈ ہوتی ہے۔ہم ٹرین میں داخل ہوئے تو یوں لگا جیسے ہم طیارے میں پہنچ گئے ہیں۔نشستوں کا انتظام بھی اسی طرح کا ہوتا ہے۔یہ ٹرین بانشو جزیرے میں واقع ٹوکیو سے کیوشو میں واقع ہکاتا تک ایک ہزار ستر کیلومیٹر کا فاصلہ تقریباً چھ گھنٹوں میں طئے کرتی ہے۔یہ دنیا کی سب سے تیز رفتار ٹرین سمجھی جاتی ہے کیونکہ یہ ایک گھنٹہ میں ۲۱۰ کیلومیٹر کا فاصلہ طے کرتی ہے۔

ہم ٹرین میں بیٹھے اپنی گھڑی کو دیکھ رہے تھے کہ ٹھیک آٹھ بج کر اکتالیس منٹ پر ٹرین گولی کی طرح اسٹیشن سے نکلی۔ تب ہمیں یقین آیا کہ اس ٹرین کو بلٹ ٹرین کیوں کہتے ہیں۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ ہر دس منٹ کے بعد ایک بلٹ ٹرین ہکاتا کے لئے نکلتی ہے۔ ان ٹرینوں کی سب سے بڑی خوبی ان کی پابندیٔ وقت ہے۔ ہمیں بتایا گیا کہ اگر کبھی ٹرین دس منٹ لیٹ ہو جائے تو مسافروں کو سارا کرایہ واپس کر دیا جاتا ہے۔ ان ٹرینوں میں آٹو میٹک کنٹرول ہوتا ہے۔ کبھی ٹرین کی رفتار تیز ہو جائے تو ٹرین کو خود بخود بریک لگ جاتے ہیں۔ جاپان میں زلزلے بہت آتے ہیں۔ جیسے ہی زلزلہ آتا ہے ٹرین خود بخود رک جاتی ہے۔ پٹریوں کی سلامتی کے بارے میں سگنل بھی سیکنڈوں میں ملتے ہیں۔ ہر ٹرین کا ٹیلی فونی ربط ایک دوسرے سے اور ساری ٹرینوں کا ربط ٹوکیو سنٹرل اسٹیشن سے ہوتا ہے۔ بلٹ ٹرین سے سفر کر کے ہمیں اس بات کا دکھ ہوا کہ اس میں دھکے نہیں لگتے۔ ٹرین کے چلنے کی آواز بھی اندر سنائی نہیں دیتی۔ دھکے نہ لگنے اور آواز نہ آنے کے باعث اس کی رفتار کا صحیح اندازہ نہیں ہوسکتا۔ ہمیں بھی اس کی رفتار کے بارے میں شبہ ہو گیا تھا۔ ہمارے دوست نے ہمیں ڈائننگ کار میں لے جا کر ٹرین کا میٹر دکھایا۔ سچ مچ ٹرین ۲۱۰ کیلومیٹر کی رفتار سے چل رہی تھی۔

سوچیے۔ بولیے

1. جاپانی ریل کی سب سے بڑی خوبی کیا ہے؟
2. مجتبیٰ حسین سامان کے بغیر سفر کرتے ہوئے حیران کیوں ہوئے؟

III

صاحبو! اگر آپ کو بلٹ ٹرین کے ذریعے ٹوکیو سے کیوٹو جانے کا موقع ملے تو اپنے دل پہ قابو رکھئے۔ اس لئے کہ جاپان کا قدرتی حسن آپ کو مسحور کر دے گا۔ بائیں طرف سمندر آپ کے ساتھ ساتھ چلے گا۔ چھوٹے چھوٹے جزیرے نظر آئیں گے اور دائیں طرف فیوجی پہاڑ نظر آتا رہے گا جو وقفہ وقفہ سے بڑا ہوتا جائے گا۔ ٹرین میں سے فیوجی پہاڑ کا نظارہ خود حیران کر دینے والا ہوتا ہے۔ آپ کو ناگویا کا شہر بھی ملے گا جو جاپان کا چوتھا بڑا شہر ہے۔ ناگویا کا قلعہ بڑی شہرت رکھتا ہے جو دوسری جنگ عظیم میں برباد ہو گیا تھا۔ اسے ۱۹۵۹ء میں دوبارہ تعمیر کیا گیا۔ تین گھنٹوں کے سفر میں ہم نے جاپان کا جو حسن دیکھا وہ زندگی بھر ہمارے دل پر نقش رہے گا۔ خدا کرے یہ ہمیشہ ہماری یادداشت کا ایک اثاثہ بنا رہے۔ دوسری جنگ عظیم بھی یاد آئی جس میں اس قدرتی حسن پر بمباری کی گئی تھی۔ ان ہی جگہوں پر کہیں آگ اور بربادی کا ناٹک کھیلا گیا ہوگا۔ پھر ہیروشیما بھی تو یہاں سے پاس ہے۔ انسان جب از سر نو جینے کا اہتمام کرتا ہے تو بربادیوں کے نشان خود بخود مٹ جاتے ہیں۔

بلٹ ٹرین میں ٹیلیفون کی سہولت بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ بلٹ ٹرین میں سفر کرتے کرتے ہم نے اوسا کا کوفون کیا اور اردو کے استاد مسٹر اساوہ کو یہ مژدہ سنایا کہ ہم کیوٹو آرہے ہیں۔ ٹرین میں وقفہ وقفہ سے اعلانات ہوتے رہے کہ باہر کا موسم ایسا ہے۔ ہم اتنا فاصلہ طے کر چکے ہیں۔ اب فلاں اسٹیشن آنے والا ہے وغیرہ وغیرہ۔

تقریباً پونے تین گھنٹوں بعد جب ہم کیوٹو پہنچے اور گھڑی دیکھی تو پتہ چلا کہ گاڑی کے پہنچنے کے وقت میں آدھے منٹ کا بھی فرق نہیں ہے۔ ٹوکیو میں بھی ہمیں ایک بار ایک ٹرین سے سگامو اسٹیشن جانا تھا۔ اپنے ایک دوست سے ملنے کے لئے۔ اسٹیشنوں کے نام جاپانی میں لکھے ہوتے ہیں۔ کہیں کہیں انگریزی میں بھی نام لکھے ہوتے ہیں۔ چونکہ ہم اکیلے سفر کر رہے تھے اس لئے ایک صاحب سے سگامو اسٹیشن کی پہچان پوچھی۔ ان صاحب نے کہا ۱۱ بج کر ۳۷ منٹ پر جو بھی اسٹیشن آئے اس پر اتر جائیے۔ وہ سگامو اسٹیشن ہی ہوگا۔ اور ہم ٹھیک ۱۱ بج کر ۳۷ منٹ پر سگامو اسٹیشن پر موجود تھے۔

بلٹ ٹرین سے اترنے کے بعد ہمارے دوست شنجی تاجما نے پوچھا ''آپ کا سفر کیسا رہا؟'' ہم نے کہا ''مسٹر تاجما آپ ہندوستان کی ٹرینوں میں سفر کر چکے ہیں۔ ہماری ٹرینوں میں جو سہولتیں ہوتی ہیں وہ آپ کے ہاں کہاں۔ وہ سفر ہی کیا جس میں آدمی کو دھکا نہ لگے۔ ہم نے تین گھنٹے آپ کی ٹرین میں سفر کیا۔ کسی نے ہمارے سر پر صندوق نہیں رکھا۔ کسی کا ہولڈال ہمارے پاؤں پر نہیں گرا۔ کسی مسافر نے نشست کے لئے دوسرے مسافر سے لڑائی نہیں کی اور پھر وہ ہر اسٹیشن پر 'چائے لے لو چائے' اور 'پان بڑی سگریٹ' والی مانوس آوازیں نہیں سنائی دیں۔ بھلا یہ بھی کوئی ٹرین کا سفر ہے۔''

تاجما نے شرم کے مارے نظریں نیچی کر لیں۔ بولے ''آپ ٹھیک ہتے ہیں۔ ہمیں آپ سے بہت کچھ سیکھنا ہے۔ یوں بھی جاپان اور ہندوستان کا کیا مقابلہ۔ ہمارا ملک چھوٹا ہے اور آپ کا ملک عظیم۔'' اور تاجما کی یہ بات سن کر ہمارا سر فخر سے اونچا ہو گیا۔

لہٰذا صاحبو! کبھی جاپان جاؤ تو بلٹ ٹرین میں بالکل نہ بیٹھو۔ بڑی واہیات ٹرین ہے۔ بلٹ ٹرین میں بیٹھنے سے بہتر یہی ہے کہ آدمی ہوائی جہاز میں بیٹھ جائے۔ (''جاپان چلو جاپان چلو۔'' ۱۹۸۰)

سوچیے۔ بولیے

1. مجتبیٰ حسین نے ٹرین سے کیوٹو جاتے ہوئے کون کون سے نظارے دیکھے؟
2. ہندوستانی ریل، جاپانی ٹرین سے کس طرح مختلف ہے؟

آیئے لسانی استعداد حاصل کریں۔

I۔ سمجھنا اظہار خیال کرنا۔

(الف) ذیل کی عبارت پڑھیے اور دیے گئے سوالوں کے جواب لکھیے۔

پہلے سفر کے بعد سند باد نے آرام سے بغداد میں رہنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔لیکن کچھ ہی دنوں میں وہ آرام کی زندگی سے اکتا گیا۔اور اس نے دوبارہ سفر کا ارادہ کیا۔شہر سے اچھی اچھی چیزیں خرید کر دوسرے سوداگروں کے ساتھ پانی کے جہاز سے سفر کے لئے نکل پڑا۔کسی بندرگاہ پر جہاز ٹھہرتا تو سند باد اور اس کے ساتھی سوداگر اپنا سامان مہنگے داموں میں بیچتے اور وہاں کی عجیب عجیب چیزیں سستی خرید کر دوسری جگہ مہنگے داموں میں بیچتے۔ایک دن ان کا جہاز ایک ویران جزیرے پر آرکا جہاں کوئی انسان نظر نہیں آیا۔سب نے درختوں کے پھل کھائے اور چشمے کا میٹھا پانی پی کر سیر کرنے لگے۔کپتان نے اعلان کیا کہ ایک گھنٹہ کے بعد جہاز روانہ ہو جائے گا لیکن سند باد بہت دور نکل گیا اور ایک سایہ دار درخت کے نیچے لیٹ کر سو گیا۔آنکھ کھلی تو جہاز جا چکا تھا۔سند باد بہت پریشان ہوا اور اپنے سفر کرنے کے فیصلے پر افسوس کرنے لگا۔

1. پہلے سفر کے بعد سند باد نے کیا فیصلہ کیا؟
2. سند باد اور اس کے ساتھی سوداگر سامان کس طرح بیچتے تھے؟
3. جہاز کہاں رکا تھا؟
4. کپتان نے کیا اعلان کیا؟
5. سند باد اپنے سفر کے فیصلے پر افسوس کیوں کرنے لگا؟

II. زبان شناسی

لفظیات

(الف) خالی جگہوں کو مناسب الفاظ سے پر کیجئے:

1. ہمیں اپنے _____ کی ریل گاڑیاں شدت سے یاد آرہی ہیں۔(وطن/شہر/گاؤں)
2. جاپانی ٹرینیں بڑی _____ ہوتی ہیں۔ (ناسمجھ/واہیات/سمجھدار)
3. _____ میں زیادہ تر ٹرینیں خانگی ریلوے کمپنیاں چلاتی ہیں۔(ہندوستان/ٹوکیو/ایشیاء)
4. جاپانی ٹرینوں کی سب سے بڑی خوبی _____ ہے۔ (پابندئ وقت/ٹیلی فون کی سہولت/تیز رفتاری)
5. جاپانی ٹرینوں کا انجن _____ شکل کا ہوتا ہے۔ (مخروطی/ہوائی جہاز کی/کار کی)

III. اظہار مافی الضمیر/تخلیقی اظہار

(الف) دیے گئے سوالوں کے جواب 5 تا 6 جملوں میں لکھیے۔

1. جاپانی ٹرینوں کے بارے میں مختصراً لکھئے۔
2. جاپان کی ریل گاڑی اور ہندوستانی ریل گاڑی میں کیا فرق ہے؟
3. مصنف نے ایسا کیوں کہا ''جاپانی لوگ ٹرین میں سفر کرتے وقت ''مون برت'' رکھ لیتے ہیں؟
4. مجتبیٰ حسین کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟ مختصراً لکھئے۔

(ب) دیے گئے سوالوں کے جواب 5 تا 6 جملوں میں لکھیے۔

1. مجتبیٰ حسین نے بلٹ ٹرین کی کون کون سی خوبیاں بیان کی ہیں؟
2. ہندوستانی ٹرینوں میں سفر کا حال اپنے الفاظ میں لکھئے۔

(ج) تخلیقی انداز میں لکھیے۔

1. کسی یادگار سفر کا حال بیان کرتے ہوئے اپنی ڈائری میں لکھیے۔

فرہنگ

بستر بند = ایک خاص وضع کا بستہ جس میں بستر باندھا جاتا ہے۔

ٹوکیو = جاپان کا صدر مقام

طیارہ = ہوائی جہاز

کیوٹو = جاپان کا شہر

مسحور = سحر زدہ/جس پر جادو کیا گیا

مژدہ = خوش خبری

نشست = بیٹھنے کی جگہ/بیٹھک

واہیات = بدتمیز

ہولڈال = بستر باندھنے کی رسی یا پٹا

5. مصنوعی ذہانت

مصنف: ماخوذ

مقصد

اس سبق میں مصنوعی ذہانت کی اہمیت کو واضح کیا گیا ہے۔ مصنوعی ذہانت کی ضرورت، ارتقاء، فائدے ونقصان وغیرہ کے بارے میں طلباء کو واقف کرانا اس سبق کا مقصد ہے۔

صنف کی تعریف و ماخذ

یہ سبق ایک مکالمہ ہے۔ ''مکالمہ'' اردو نثر کی ایک صنف ہے۔ دو یا دو سے زیادہ افراد کے درمیان ہوئی گفتگو کو ''مکالمہ'' کہتے ہیں۔ مکالمہ کی زبان آسان اور سادہ ہوتی ہے۔ موضوع کی مناسبت سے مکالمہ میں وضاحت بیانی اور سادگی کا عنصر ہوتا ہے۔ مکالمے میں کرداروں کی فطرت اور دلچسپیوں پر خصوصی دھیان دیا جاتا ہے۔ زیر نظر سبق میں مصنوعی ذہانت کی ترقی کے سفر اور اس سے ہونے والے فائدوں پر بھرپور روشنی ڈالی گئی ہے جو انٹرنیٹ سے ماخوذ ہے۔

ابتدایہ

موجودہ دور میں سائنس وٹکنالوجی کے عروج وارتقاء کا دور ہے نت نئی ایجادات ہر وقت انسانوں کو عبرت میں ڈالتے جارہی ہے۔ پچھلی دو تین دہائیوں کے دور میں جتنی تیز رفتار ترقی ہوئی ہے اسے دیکھ کر ایسے لگتا ہے آئندہ برسوں میں اس میں مزید تیز رفتاری آئے گی۔ زندگی سے متعلق ہر شعبے میں ٹکنالوجی کا کثرت سے استعمال ہونے لگا ہے اسی سلسلہ کی ایک تازہ پیش رفت مصنوعی ذہانت کی ہے۔ زیر نظر سبق میں مصنوعی ذہانت کے مفہوم، وسعت، فائدے اور مضمرات کا جائزہ، مکالمے کے انداز میں لیا گیا ہے۔ آیئے سبق کا مطالعہ کرتے ہیں۔

I

کویتااور سنیتا دونوں سہیلیاں ہیں دونوں انٹرمیڈیٹ کے سالانہ امتحان کی تیاری کررہی ہیں۔اسی سلسلے میں سنیتا کچھ نوٹس لینے کویتا کے گھر جاتی ہے۔سنیتا گھنٹی بجاتی ہے کویتا دروازہ کھولتی ہے۔

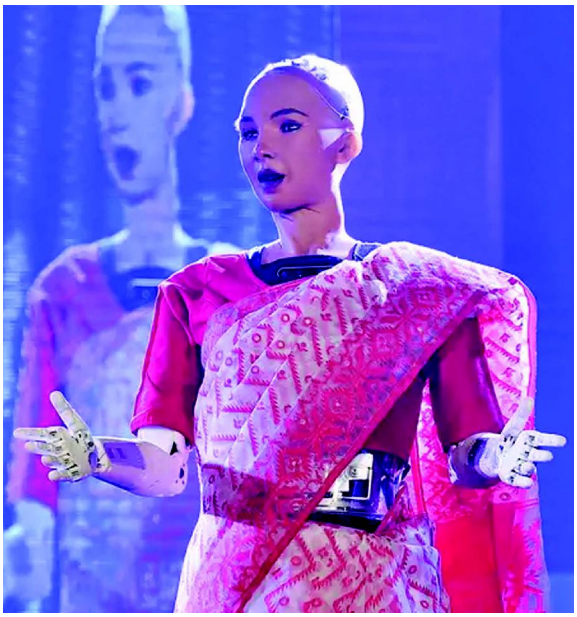

کویتا: ہیلوسنیتا! کیسی ہو؟ اچانک کیسے آنا ہوا؟ اندر آؤ۔

سنیتا: (اندر آتے ہوئے) ہیلوکویتا! بنا بتائے آنے کے لیے معافی چاہتی ہوں۔لیکن پڑھنے کے دوران کئی شکوک وشبہات پیدا ہورہے ہیں اور مجھے کچھ نوٹس بھی لینے ہیں۔میں اپنے شبہات کو دور کرنے اور کچھ نوٹس لینے کے لیے تمہارے پاس آئی ہوں۔

کویتا: اچھا کیا۔اس بہانے تم میرے گھر تو آئیں۔تمہیں کس مضمون میں شبہات ہیں۔

سنیتا: ہاں ہاں بتاتی ہوں۔

تبھی اس کی نظر کویتا کی ماں پر پڑتی ہے۔جو فون پر کچھ بول رہی تھی۔اور ان کے بولتے ہی گھر کا پنکھا کھل گیا۔سنیتا یہ دیکھ متعجب ہوجاتی ہے۔وہ کویتا کی طرف حیرت سے دیکھنے لگتی ہے۔کویتا، سنیتا کے چہرے کے تاثرات کو سمجھ جاتی ہے اور ہنستے ہوئے کہتی ہے۔

کویتا: مجھے پتا ہے تم کیا سوچ رہی ہو؟ تم یہ جاننا چاہتی ہو کہ ماں کے فون پر بولنے سے پنکھا کس طرح چل پڑا ہے؟ ہے ناں۔یہی جاننا چاہتی ہو نا تم؟

سنیتا: ہاں ہاں کویتا میں یہی جاننا چاہتی ہوں۔مجھے یہ دیکھ کر بہت تعجب ہورہا ہے۔

کویتا: ارے سنیتا! اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں ہے۔یہ مصنوعی طور پر فروغ دی گئی ذہانت ہے۔جو ایک APP کے ذریعے کارکرد ہوتی ہے۔بس اسے ایک انسانی نام دے دیا گیا ہے۔یہ انسان کی زبان کو سمجھ کر اس کی ہدایات پر کام کرسکتی ہے۔

سنیتا: تو کیا تم آمیزون کی الیکسا، ایپل کی سری یا گوگل کی گوگل اسسٹنٹ کی تو بات نہیں کررہی ہو۔

کویتا: ہاں میں اسی کی بات کررہی ہوں۔میری ماں جو ہدایت دے رہی ہے اس کی تعمیل آمیزون کی الیکسا کررہی ہے۔یہ مصنوعی ذہانت کی اچھی مثال ہے۔

سنیتا: اچھا، مصنوعی ذہانت، مجھے اس کے بارے میں تھوڑی بہت جانکاری ہے۔لیکن اب میں اس کے بارے میں تفصیل سے جاننا چاہتی ہوں۔

کیا تم مجھے بتاسکتی ہو کہ مصنوعی ذہانت کیا ہے؟

سوچیے ۔بولیے

1۔ کویتا کے گھر میں کیا دیکھ کر سنیتا متعجب ہو جاتی ہے؟

2۔ سنیتا کویتا سے کس موضوع کے بارے میں جاننا چاہتی ہے؟

II

کویتا: ہاں ہاں کیوں نہیں۔تم نے تو میرے دماغ کے تار چھیڑ دیئے۔ یہ تو میرا پسندیدہ موضوع ہے۔آگے چل کر میں مصنوعی ذہانت کے بارے میں مزید تعلیم حاصل کر کے اس مضمون میں تحقیق بھی کرنا چاہتی ہوں۔اسی لیے میں اس کے بارے میں پڑھتی رہتی ہوں۔بتاؤ تم مصنوعی ذہانت کے بارے میں کیا جاننا چاہتی ہو؟

سنیتا: یہ مصنوعی ذہانت کیا ہے؟اس کی شروعات کیسے اور کہاں ہوئی؟

کویتا: ٹھیک ہے میں تمہیں بتاتی ہوں۔ یہ کمپیوٹر علوم کی ایک شاخ ہے۔اس کا کام مشینوں اور سافٹ ویروں کو ذہانت کے ساتھ ترقی دینا ہے۔ یہ خاص طور پر انسانوں اور دیگر جانوروں کے ذریعے ظاہر ہونے والی ذہانت کے برخلاف مشینوں کے ذریعے ظاہر کی جانے والی ذہانت ہے۔اسے انگریزی میں Artificial Intellegence کہتے ہیں۔اسے یہ نام 1955ء میں کمپیوٹر کے سائنسدان جان میکارتھی نے دیا تھا۔اسی لیے انہیں مصنوعی ذہانت کا موجد مانا جاتا ہے۔کویتا نے اپنی بات آگے بڑھاتے ہوئے کہا کہ 1956ء میں جان میکارتھی نے ڈارٹ ماؤتھ کالج میں ایک ورکشاپ کا انعقاد کیا تھا اور اس میں انہوں نے خاص طور پر مصنوعی ذہانت پر بحث کی۔انہوں نے جس وقت اس ورکشاپ کا نظم کیا تھا اس وقت ٹکنالوجی کے میدان میں اتنی ترقی نہیں ہوئی تھی لیکن ان کی اس پہل نے ایک انقلاب کا روپ دھار لیا اور اس میدان میں ترقی کا عمل شروع ہوا۔مصنوعی ذہانت میں اکثر روبوٹک سسٹم کے ذریعے کام کیا جاتا ہے۔اس کے ذریعے مشینوں میں انسانوں جیسی ذہنی صلاحیت کے فروغ کی کوشش کی جاتی ہے۔

سوچیے ۔بولیے

1۔ مصنوعی ذہانت کسے کہتے ہیں؟

2۔ کویتا نے آج کے دور کو ٹکنالوجی کا دور کیوں کہا؟

III

سنیتا: کویتا تمہاری باتوں سے تو لگتا ہے کہ آنے والے وقت میں مصنوعی ذہانت کا تسلط اور غلبہ قائم ہو جائے گا۔ میں تو اب تک یہی سمجھتی تھی کہ انسان کے لیے ذہانت خدا کی نعمت ہے۔ انسان کو خدا نے جو نعمت دی ہے نہ تو کوئی اسے چھین سکتا ہے اور نہ ہی کوئی اس کی نقل کر سکتا ہے۔ انسان نے اپنی ذہانت کے بل پر بڑی بڑی ایجادات کی ہیں۔ اس کی ذہانت کے آگے کوئی ٹھہر نہیں سکتا۔ پھر مصنوعی ذہانت کی ضرورت کیوں آن پڑی؟

کویتا: بہت اچھا سوال کیا سنیتا تم نے۔ یہ صحیح ہے کہ انسان کو ممتاز و منفرد بنانے والی شئے اس کی ذہانت ہی ہے۔ لیکن یہ بھی صحیح ہے کہ آج کا دور ٹکنالوجی کا دور ہے۔ پل پل میں تبدیل ہونے والے اس دور میں ایسی ٹکنیک کی ضرورت ہے جو انسان کے لئے آسان، سادہ اور سہولت بخش ہو۔ اس کا فروغ بھی تو انسانی ذہانت سے ہی ہو رہا ہے۔ انسان اپنی ذہانت کے ذریعے ہی مصنوعی ذہانت کے فروغ میں لگا ہوا ہے۔ دنیا کی بڑھتی ہوئی آبادی، جدیدیت، آرام طلب طرز زندگی کی وجہ سے اس کی مانگ بڑھتی جا رہی ہے۔

سنیتا: اچھا کویتا اب میری سمجھ میں آ گیا ہے کہ اس مصنوعی ذہانت کو فروغ دینے والا انسان ہی ہے۔ کیا تم مجھے بتا سکتی ہو کہ اس کے کتنے درجے ہیں اس کا میدان عمل کیا ہیں؟

کویتا: مصنوعی ذہانت کے استعمال کے پانچ مدارج ہیں۔ یہ منطق، علم، منصوبہ بندی ،مواصلات اور یقین پر کام کرتی ہیں۔ صحت، تعلیم، حمل و نقل، کاروبار وغیرہ اس کے اہم میدان عمل ہیں۔ اس کا استعمال علاج معالجے، الکٹرانک ٹریڈنگ، روبوٹک نگرانی، ریموٹ سنسنگ کے لیے کیا جاتا ہے۔ مشین لرننگ اور روبوٹکس اس کے ذیلی میدان ہیں۔ مصنوعی ذہانت کے ذریعے وہ سب کیا جا سکتا ہے جو ایک انسان کر سکتا ہے۔

سنیتا: تو کیا پھر انسانوں کی ضرورت ہی نہیں ہوگی؟ ہے ناں۔

کویتا: ایسا نہیں ہے سنیتا، ابھی تک جو مشینیں بنی ہیں یا جن سافٹ ویروں کو تیار کیا گیا ہے وہ سب انسانی ہدایات پر ہی کام کرتے ہیں۔

سوچیے۔ بولیے

1۔ مصنوعی ذہانت سے بنی کسی مشین کی مثال دیجئے اور اسکی کارکردگی کو بیان کیجئے۔

2۔ مصنوعی ذہانت سے ہونے والے نقصانات کا جائزہ لیجئے۔

3۔ مصنوعی ذہانت کے پانچ درجوں کے نام بتائیے۔

IV

سنیتا: سمجھ میں آ گیا، ٹھیک ایسے ہی ناں جیسے آنٹی ہدایت دے رہی تھیں اور ادھر کام ہو رہا تھا۔ ہاں کویتا ایک بات مجھے بھی یاد آ رہی ہے میں نے کچھ دن پہلے پڑھا تھا کہ اب کار چلانے کے لیے انسان کی ضرورت نہیں ہے۔ کار اپنے آپ چلتی ہے۔ کس کار کے بارے میں پڑھا تھا نام یاد نہیں آ رہا ہے۔

کویتا: مجھے پتا ہے تم کس کار کی بات کر رہی ہو۔ تم ٹیسلا کار کی بات کر رہی ہو۔ ہاں بالکل صحیح کہہ رہی ہو یہ کار کسی انسان کے ذریعے نہیں بلکہ مصنوعی ذہانت کے ذریعے ہی چلائی جائے گی۔

سنیتا: مجھے تو تمہاری باتیں سن کر بڑا مزا آ رہا ہے۔ بتاؤ تو مصنوعی ذہانت سے بنی مشین یا سافٹ ویرس اور کیا کیا کام کر سکتے ہیں۔

کویتا: ہاں ہاں کیوں نہیں ابھی بتاتی ہوں یہ مشینیں لوگوں کی شناخت کر سکتی ہیں، ایک زبان کا ترجمہ دوسری زبان میں کر سکتی ہیں، صحت کی دیکھ بھال کر سکتی ہیں کھلاڑی کے روپ میں ہمارے ساتھ کھیل سکتی ہیں، روبوٹ کے روپ میں ہمارے ہر کام کو انجام دے سکتی ہیں، خلائی سفر کر سکتی ہیں، گھر کے کام کاج میں ہماری مدد کر سکتی ہیں، ڈاٹا کی حفاظت کر سکتی ہیں، مختلف پروگراموں کا نظم کر سکتی ہیں۔ کیا تم جانتی ہو کہ ممبئی میں 2017ء میں ایشیاء کے سب سے بڑے فیسٹول کا اہتمام کیا گیا تھا اس میں ڈیوڈ ہین سن کی تیار کردہ سعودی عرب کی انٹلیجنس روبوٹ صوفیہ نے ساڑی پہن کر ہندوستانی انداز میں نمستے انڈیا میں صوفیہ ہوں کہہ کر سب کو سلام کیا تھا۔ اور سبھی کے سوالوں کے جواب ہندی میں بڑی مہارت سے دیا تھا۔

کویتا: یہ مشینیں ابھی تک انسانی ہدایات پر کام کر رہی ہیں لیکن مستقبل کے لیے ایسی مشینوں کو تشکیل و ترتیب دینے کی کوشش کی جا رہی ہے جو انسانی ہدایات کے بغیر بھی کام کر سکیں۔ اور حالات کے مطابق از خود ہی فیصلے لے سکیں۔

سنیتا: کویتا تمہاری ان باتوں کو سن کر تو مجھے بہت خوشی ہو رہی ہے۔ ارے مصنوعی ذہانت کے اتنے فائدے ہیں تو کہنا ہی کیا۔ مگر کویتا میں ایک بات کہنا چاہتی ہوں جو بہت دیر سے میرے ذہن میں چل رہی ہے۔ مجھے لگتا ہے کہ مصنوعی ذہانت کے فروغ سے انسانوں کی کاہلی اور بے کاری میں اضافہ ہوگا۔ مشینوں پر اس کا انحصار بڑھ جائے گا۔ بے روزگاری میں اضافہ ہوگا اور انسانی ہمدردیاں ختم ہو جائیں گی۔

کویتا: واہ سنیتا تمہاری سوچ کا تو کیا کہنا۔ تم اس موضوع پر سنجیدگی سے سوچ رہی ہو۔ سچ میں ہمیں ہر چیز کے مثبت اور منفی پہلوؤں پر غور کرنا چاہیے۔ یہ بہت ضروری ہے۔ اسی بات کے بارے میں گوگل کے چیف اکزیکٹیو آفیسر سندر پچائی نے کہا کہ مصنوعی ذہانت ہمارے لیے تب ہی فائدہ مند ثابت ہو سکتی ہے جب ہم اس کے نقصان دہ پہلوؤں سے بچنے کے طریقے ڈھونڈ لیتے ہیں۔ اور یہ ہماری مثبت سوچ مثبت کاموں کے روپ میں ہمارے پاس موجود ہے۔ کرونا وبا کے دور میں اس مصنوعی ذہانت سے کئی کام ممکن ہو سکے ہیں۔ اسی لیے یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس کے فائدے ہی کثیر ہیں۔ سنیتا کیا تمہیں پتا ہے کہ انٹرمیڈیٹ کی تکمیل کے بعد میں اسی مضمون میں آگے کی تعلیم حاصل کرنے والی ہوں۔ یعنی کمپیوٹر انجینیرنگ میں مصنوعی ذہانت کا مضمون لینے والی ہوں۔ تمہارا کیا خیال ہے۔

سنیتا: (خوشی سے اچھلتے ہوئے) نیکی اور پوچھ پوچھ۔ میں بھی تمہارے ساتھ اسی مضمون میں تعلیم حاصل کروں گی۔ شکریہ کویتا تم نے مجھے نوٹس دیئے، میرے شبہات کو رفع کیا اور مصنوعی ذہانت کے بارے میں اتنی معلومات فراہم کیں۔ چلو میں اب چلتی ہوں۔ پھر ملیں گے۔

سوچیے۔ بولیے

1۔ مصنوعی ذہانت ہمارے لیے مفید کیسے ہوسکتی ہے؟

2۔ آگے پڑھائی کے بارے میں کویتا اور سنیتا نے کیا بتایا؟

آیئے لسانی استعداد حاصل کریں۔

I۔ سمجھنا۔ اظہار خیال کرنا

(الف) حسب ذیل جملوں کی تشریح متن کے حوالے سے کیجئے۔

1۔ یہ مصنوعی طور پر تشکیل دی گئی ذہانت ہے۔ جو ایک APP کے ذریعے کارکرد ہوتی ہے۔

2۔ یہ تو میرا پسندیدہ موضوع ہے۔ آگے چل کر میں مصنوعی ذہانت کے بارے میں مزید تعلیم حاصل کر کے اس مضمون میں کرنا چاہتی ہوں۔

3۔ کویتا تمہاری باتوں سے تو لگتا ہے کہ آنے والے وقت میں مصنوعی ذہانت کا تسلط اور غلبہ قائم ہو جائے گا۔

(ب) ذیل کے متن کا مطالعہ کیجئے اور دیئے گئے سوالوں کے جواب دیجئے۔

آج کے دور میں سائنس انسانی زندگی کی لازمی اور اہم جز بن گئی ہے۔ انسانی زندگی کا کوئی بھی گوشہ سائنس کے حیرت انگیز ایجادات سے خالی نہیں رہا۔ اسی لیے جدید دور سائنسی دور کہلاتا ہے۔ آج سائنس میں مرد و خواتین، ادیب و سیاستداں، آجر اور مزدور، معالج اور فوجی، دولتمند اور محنت کش افراد اس کے علاوہ طالب علم اور علماء سب ہی کو اور سب ہی میدانوں میں کسی نہ کسی شکل میں اپنے حیران کن کارناموں سے متاثر کیا ہے۔

آج سارا ماحول سائنسی ہو گیا ہے۔ سائنس کے اثرات کسی خاتون کے باورچی خانے سے لے کر بلند و بالا عمارتوں میں ہی نظر نہیں آتا بلکہ وہ بحر و بر کی سرحدوں کو پھلانگ کر خلاؤں میں بھی دخیل ہو چکا ہے۔ اس لیے سائنسی علوم سے آگہی انسان کی سب سے بڑی طاقت بن گئی ہے۔ اس کے بل پر انسان دنیا کے تمام مخلوقات میں افضلیت حاصل کر چکا ہے۔ سائنسی علوم کے حصول سے وہ سبھی اقسام کی سہولتوں اور وسائل کا مالک بن چکا ہے۔ اب وہ آب و ہوا اور موسموں کے غضب سے خوفزدہ نہیں ہے۔ برقی نے اسے روشنی عطا کی ہے اور اسے گرمی اور ٹھنڈک فراہم کی ہے۔

بٹن دبا کر کسی بھی کام کو کرنے کی طاقت بھی دی ہے۔تفریح کے ذرائع اسے میسر ہیں۔حمل ونقل اور مواصلات کے ذرائع کے ترقی یافتہ اور جدید ہونے سے وقت اور فاصلے کم ہوگئی ہیں۔ساری دنیا ایک خاندان کی طرح لگنے لگی ہے۔

1۔ جدید دور کو کس نام سے موسوم کیا گیا ہے؟

2۔ سائنس کے اثرات کہاں کہاں ظاہر ہوتے ہیں؟

3۔ برقی نے انسان کو کون کونسی سہولتیں فراہم کیں ہیں؟

4۔ انسان کو اب کس بات کا خوف نہیں رہا؟

5۔ اس متن کے لیے مناسب عنوان تجویز کیجئے۔

II. زبان شناسی

(الف) ذیل کے الفاظ میں لاحقے کی شناخت کیجئے اور لکھیے۔

1۔ فکرمند ..... 2۔ کارآمد .....

3۔ فائدہ مند ..... 4۔ بےروزگاری .....

5۔ لاعلم ..... 6۔ دواساز .....

7۔ پرجوش ..... 8۔ تعجب خیز .....

9۔ ذی شعور ..... 10۔ کم گو .....

III. اظہار مافی الضمیر / تخلیقی اظہار

(الف) ذیل میں دیئے گئے سوالوں کے جواب 5-6 جملوں میں لکھیے۔

1۔ کویتا کی ماں کو فون پر کچھ بولتے ہوئے دیکھ کر سنیتا کے حیران ہونے کی وجہ کیا تھی؟

2۔ اپنی روزمرہ زندگی میں آپ مصنوعی ذہانت سے بنی کس شئے کا استعمال کر رہے ہیں؟اس کی کارکردگی کے بارے میں مختصر طور پر لکھیے۔

3۔ مصنوعی ذہانت کے فروغ سے انسانوں کی غیر کارکردگی میں اضافہ ہوسکتا ہے۔سنیتا کے اس بیان پر اپنے خیالات کا اظہار کیجئے۔

(ب) ذیل میں دیئے گئے سوالوں کے جواب 10-12 جملوں میں لکھیے۔

1۔ مصنوعی ذہانت کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں۔تفصیل سے لکھیے۔

2۔ آگے کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے کویتا اور سنیتا کا مصنوعی ذہانت کے موضوع کو منتخب کرنا، کیا صحیح ہے؟ اپنے ہاں یا ناں کی وجہ بتائیے۔

(ج) تخلیقی انداز میں لکھیے۔

1۔ زرعی شعبے کی ترقی میں مصنوعی ذہانت کا کردار، کے عنوان پر ایک ورقیہ تیار کیجئے۔

فرہنگ

ایجادات	:	ایجاد کی جمع / وجود میں لانا
تحقیق	:	اصلیت یا حقیقت معلوم کرنا
تسلط	:	غلبہ / قبضہ
شکوک	:	شک کی جمع / شبہ / گمان
شبہات	:	شبہ کی جمع
فروغ	:	تابنا کی / ترقی
موجد	:	ایجاد کرنے والا / بنانے والا
ممتاز	:	مشہور / قدر والا
منفرد	:	تنہا / اکیلا / رنگ

6. غالبؔ کے خطوط

مرزا اسداللہ خاں غالبؔ

مقصد

اس سبق میں مرزا غالب کے وہ خطوط ہیں جو انہوں نے اپنے دوستوں اور شاگردوں کو لکھے ہیں۔ ان کے مطالعہ سے غالب کی بے تکلفانہ گفتگو اور خطوط لکھنے میں غالب کی دلچسپی کا اندازہ ہوتا ہے۔ غالب نے اس دور میں اپنے خطوط کے ذریعہ سادہ نثر کا استعمال کیا ہے جبکہ خطوط میں پرتکلف الفاظ کی بھرمار ہوتی تھی۔ غالب سے پہلے فورٹ ولیم کالج نے بھی سادہ نثر کے فروغ میں اہم رول ادا کیا تھا۔ خطوط نویسی کے فن اور سادہ نثر کے استعمال سے واقف کروانا ہی اس سبق کا مقصد ہے۔

صنف کی تعریف و ماخذ

اس سبق کا تعلق نثر کی اہم صنف خطوط نگاری سے ہے جس میں غالب کے خطوط کو پیش کیا گیا ہے جو خلیق انجم کی مرتب کردہ کتاب ''خطوط غالب'' سے ماخوذ ہے۔

خطوط نویسی یا مکتوب نگاری اردو کی ایک اہم صنف ہے۔ کاتب اور مکتوب الہیہ کے تعلقات کا اظہار جس تحریر میں ہوگا اسے خطوط نگاری کہا جاتا ہے۔

مصنف کا تعارف

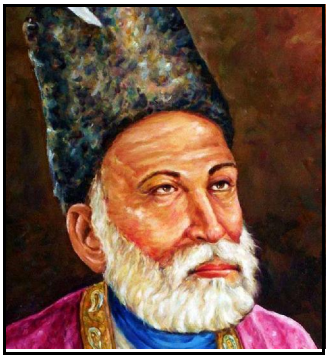

غالب کا نام اسداللہ خاں تھا۔ اولین تخلص اسد تا لیکن بعد ازاں انہوں نے اپنا تخلص غالب اختیار کیا۔ نجم الدولہ، دبیر الملک اور نظام جنگ ان کے خطاب تھے۔ مرزا غالبؔ 1797ء کو آگرہ میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام عبداللہ بیگ خان تھا۔ ابھی پانچ برس ہی کے تھے کہ ان کے والد کا انتقال ہوگیا۔ والد کے انتقال کے بعد چچا نصراللہ بیگ نے پرورش کی۔ 9 سال کی عمر میں چچا کا بھی انتقال ہوگیا تو غالب کی پرورش ننھیال والوں نے کی۔ شیخ معظم اور مولانا عبدالصمد سے ابتدائی تعلیم اور فارسی زبان سیکھی۔ تیرہ سال کی عمر میں غالب کی شادی نواب الٰہی بخش کی صاحبزادی امراؤ بیگم سے ہوئی۔ انہوں نے مستقل طور پر دہلی میں سکونت اختیار کرلی۔ مغل دربار سے تعلق ہوا۔ مرزا غالب کا انتقال 1869ء میں ہوا۔

مرزا غالب نہ صرف غیر معمولی شاعر تھے بلکہ بہت اچھے نثر نگار بھی تھے۔ان کے خطوط کو اردو ادب میں بہت اہمیت حاصل ہے۔ غالب سے پہلے خط نہایت روایتی انداز میں لکھے جاتے تھے۔عربی الفاظ میں لمبے چوڑے القاب سے خط شروع کیا جاتا ۔غالب نے ان مروجہ طریقوں کو چھوڑ کر یا تو القاب کو مختصر کر دیا یا بالکل ترک کر دیا۔غالب کے خطوط کی سب سے بڑی خوبی یہی ہے کہ ان کے خطوط بات چیت کا بدل معلوم ہوتے ہیں۔تاریخی اور سوانحی اعتبار سے بھی ان کے خطوط کافی اہم سمجھے جاتے ہیں۔

ابتدائیہ

خط و کتابت معاملات زندگی کا اہم حصہ ہے۔ہر شخص کو خواہ وہ کم پڑھا لکھا ہو یا زیادہ اس سے واسطہ پڑتا ہے۔دور رہنے والوں تک اپنی بات پہنچانے اور ان کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لئے خط و کتابت ایک بہترین ذریعہ ہے۔خط لکھنا بھی ایک فن ہے۔کوشش کرنی چاہئے کہ خط لکھنے کا انداز ایسا ہو گویا مکتوب الیہ سامنے بیٹھا ہے اور ہم اس سے مخاطب ہیں۔خط لکھنے کے اس دلچسپ اور نئے انداز کے موجد مرزا غالب ہیں۔خط لکھنے کے اس سارے اور بے تکلفانہ انداز کو سب ہی پسند کرتے ہیں۔ آیئے اس سبق کے ذریعہ دیکھتے ہیں کہ غالب کے خطوط لکھنے کا انداز کتنا دلچسپ ہے اور مکتوب الیہ پر کیا اثر ڈالتا ہے۔

I

بنام مرزا حاتم علی صاحب مہر

مرزا صاحب میں نے وہ اندازِ تحریر ایجاد کیا ہے کہ مراسلہ کو مکالمہ بنا دیا ہے۔ہزار کوس سے بزبان قلم سے باتیں کیا کرو۔ہجر میں وصال کے مزے لیا کرو۔کیا تم نے مجھ سے بات نہ کرنے کی قسم کھائی ہے۔اتنا تو کہہ کہ یہ کیا بات تمہارے جی میں آئی ہے۔برسوں ہو گئے کہ تمہارا خط نہیں آیا۔نہ اپنی خیر و عافیت لکھی نہ کتابوں کا بیورا بھجوایا۔ہاں مرزا تفتہ نے ہاتھرس سے یہ خبر دی ہے کہ پانچ ورق پانچوں کتابوں کی آغاز کے ان کو دے آیا ہوں اور انھوں نے سیاہ قلم کی لوحوں کی تیاری کی ہے۔یہ تو بہت دن ہوئے جو تم نے مجھ کو خبر دی ہے کہ دو کتابوں کی طلائی لوح مرتب ہو گئی ہے۔پھر ان کتابوں کی جلدیں بن جانے کی کیا خبر ہے اور ان پانچوں کتابوں کے تیار ہونے میں درنگ کس قدر ہے۔مہتمم مطبع کا خط پرسوں آیا تھا۔وہ لکھتے ہیں کہ تمہاری چالیس کتابیں بعد منہائی لینے سات جلدوں کے اسی ہفتہ میں تمہارے پاس پہنچ جائیں گی۔اب حضرت ارشاد کریں کہ یہ سات جلدیں کب آئیں گی۔ہر چند کاریگروں کے دیر لگانے سے تم بھی مجبور ہو مگر ایسا کچھ لکھو کہ آنکھوں کی نگرانی اور دل کی پریشانی دور ہو۔خدا کرے ان تینتیس جلدوں کے ساتھ یا دو تین روز کے آگے پیچھے یہ سات جلدیں آپ کی عنایتی بھی آئیں۔تا خاص و عام کو جا بجا بھیجی جائیں۔میرا کلام میرے پاس کبھی کچھ نہیں رہا۔نواب ضیاء الدین خاں اور نواب حسین مرزا جمع کر لیتے ہیں۔جو میں نے کہا انھوں نے لکھ لیا۔ان دونوں کے گھر لٹ گئے۔ہزاروں روپیہ کے کتب خانے برباد ہو گئے۔اب میں اپنے کلام کو دیکھنے کو ترستا ہوں۔کئی دن ہوئے کہ ایک فقیر کو کہ وہ خوش آواز بھی ہے اور زمزمہ پرواز بھی

ہے۔ایک غزل میری کہیں سے لکھوایا۔اس نے وہ کاغذ جو مجھ کو دکھایا یقین سمجھنا کہ مجھ کو رونا آیا۔غزل تم کو بھیجتا ہوں اور صلہ میں اس خط کے جواب چاہتا ہوں۔

بنام منشی ہرگوپال تفتہ

کیوں صاحب! روٹھے ہی رہو گے یا کبھی منو گے بھی؟ اور اگر کسی طرح نہیں منتے تو روٹھنے کی وجہ تو لکھو۔ میں اس تنہائی میں صرف خطوں کے بھروسے جیتا ہوں یعنی جس کا خط آیا، میں نے جانا کہ وہ شخص تشریف لایا۔خدا کا احسان ہے کہ کوئی دن ایسا نہیں ہوتا، جو اطراف و جوانب سے دو چار خط نہیں آ رہتے ہوں بلکہ ایسا بھی دن ہوتا ہے کہ دو دو بار ڈاک کا ہرکارہ خط لاتا ہے، ایک دو صبح کو اور ایک دو شام کو، میری دل لگی ہو جاتی ہے۔دن ان کے پڑھنے اور جواب لکھنے میں گذر جاتا ہے۔ یہ کیا سبب دس دس بارہ بارہ دن سے تمہارا خط نہیں آیا۔یعنی تم نہیں آئے۔خط لکھو صاحب، نہ لکھنے کی وجہ لکھو، آدھ آنے ہیں بخل نہ کرو۔ایسا ہی ہے تو بیرنگ بھیجو۔

سوموار 27/دسمبر 1858ء

سوچیے۔بولیے

1۔ ''ہجر میں وصال کے مزے لیا کرو'' سے کیا مراد ہے؟

2۔ ''میں تنہائی میں خطوں کے بھروسے جیتا ہوں'' سے کیا مراد ہے؟

II

بنام ہرگوپال تفتہ

کیوں صاحب!

مجھ سے کیوں خفا ہو؟ آج مہینا بھر ہو گیا ہوگا یا بعد چار دن کے ہو جائے گا کہ آپ کا خط نہیں آیا۔انصاف کرو، کتنا کثیر الاحباب آدمی تھا۔کوئی وقت ایسا نہ تھا کہ میرے پاس دو چار دوست نہ ہوتے ہوں۔اب یاروں میں ایک شیو جی رام برہمن اور بال مکند اس کا بیٹا، یہ دو شخص ہیں کہ گاہ گاہ آتے ہیں۔اس سے گزر کر لکھنؤ اور کالپی اور فرخ آباد اور کس کس ضلع سے خطوط آتے رہتے ہیں۔ان دوستوں کا حال ہی نہیں معلوم کہ کہاں ہیں اور کس طرح ہیں؟۔وہ آمد خطوط کی موقوف۔صرف تم تین صاحبوں کے آنے کی توقع؟۔اس میں دونوں صاحب گاہ گاہ، ہاں ایک تم ہو کہ ہر مہینے ایک دو بار مہربانی کرتے ہو۔

سُنو صاحب!، اپنے اوپر لازم کر لو ہر مہینے میں ایک خط مجھ کو لکھنا۔اگر کچھ کام آ پڑا، دو خط، تین خط، ورنہ صرف خیر و عافیت لکھی اور ہر مہینے میں ایک بار بھیج دی۔ بھائی صاحب کا خط بھی دس بارہ دن ہوئے کہ آیا تھا اس کا جواب بھیج دیا گیا۔مولوی قمر الدین خاں

یقین ہے کہ الٰہ آباد گئے ہوں، کس واسطے کہ مجھ کو مئی میں لکھا تھا کہ اوائل جون میں جاؤں گا۔ بہ ہر حال اگر آپ آزردہ نہیں تو جس دن میرا خط پہنچے اس کے دوسرے دن اس کا جواب لکھیے۔ اپنی خیر و عافیت، منشی صاحب کی خیر و عافیت، مولوی صاحب کا احوال، اس سے سوا گوالیار کے فتنہ و فساد کا ماجرا جو معلوم ہوا ہو، وہ الفاظ مناسب وقت میں ضرور لکھنا، راجہ وہاں آیا ہوا ہے، اس کی حقیقت؟ دھول پور کا رنگ؟ صاحبانِ عالی شان کا اِرادہ وہاں کے بندوبست کا کس طرح پر ہے؟ آگرے کا حال کیا ہے؟ وہاں کے رہنے والے کچھ خائف ہیں یا نہیں؟

نگاشتہ شنبہ ۱۹/ جون ۱۸۵۸ء

غالب

سوچیے۔بولیے

1۔ غالب خود کو کثیر الاحباب آدمی کیوں کہتے ہیں ؟

2۔ غالب، مرزا تفتہ سے کس طرح انصاف کرنے کو کہتے ہیں ؟

آیئے لسانی استعداد حاصل کریں۔

ا۔ سمجھنا۔اظہار خیال کرنا

(الف) ذیل کا متن پڑھ کر سوالوں کے جواب دیجئے۔

آپ کا خط ابھی پہنچا، جسے پڑھ کر بہت خوشی ہوئی .....خصوصاً میمونہ سلمہا کی کامیابی سے۔اس کا البتہ افسوس ہوا کہ آگے اس کی تعلیم جاری نہیں رہ سکتی۔لڑکوں کی اعلیٰ تعلیم اتنی ضرورت نہیں جتنی لڑکیوں کی۔دوسرے سررشتہ تعلیم اور طب میں ان کی مانگ بھی ہے اور وہ تعلیم پا کر قوم کی خدمت بھی کر سکتی ہیں اور اپنی زندگی بھی خوشحالی اور خوشی سے بسر کر سکتی ہیں۔افسوس کہ آپ بالائق اور ہنرمند آدمی سرسبز ہو سکا۔وہاں کے حالات کچھ ایسے ہی ہیں۔میں حیدرآباد آکر میمونہ کی تعلیم کے متعلق آپ سے گفتگو کروں گا۔

آرٹ آف انڈین جرنل کتاب نہیں ایک رسالہ تھا۔شاید اب بھی جاری ہو۔وہ انگریزی میں ہے۔آپ اس کے متعلق غلام یزدانی صاحب سے دریافت کیجئے، غالباً ان کے دفتر کی لائبریری میں ہوگا۔ایسی چیزیں ان کے ہاں ضرور رہتی ہیں۔اُن کے دفتر میں غلام ربانی ہیں۔اُن سے ملیے وہ آپ کو کتب خانہ دیکھ کر بتا دیں گے۔

کلکتہ میں انجمن کی شاخ قائم کر دی ہے۔اردو کے متعلق یہاں وزیر اعظم اور دیگر وزراء سے گفتگو کر رہا ہوں۔امید ہے کہ کچھ نہ کچھ ضرور ہو رہے گا۔بچوں کو دعا۔

1۔ عبدالحق کو خط پڑھ کر خوشی کیوں ہوئی ؟

2۔ عبدالحق کو خط پڑھ کر کس بات کا افسوس ہوا ؟

3۔ عبدالحق کی نظر میں لڑکیوں کی تعلیم کیوں ضروری ہے ؟

4۔ غلام یزدانی سے صاحب سے کس بارے میں دریافت کرنے کو کہا جا رہا ہے؟

5۔ رسالہ سے کیا مراد ہے ؟

II. زبان شناسی

لفظیات

(الف) دیئے گئے جملوں میں خط کشیدہ الفاظ کے صحیح معنی لکھیے ۔

1۔ میں نے وہ اندازِ تحریر ایجاد کیا کہ مراسلہ کو مکالمہ بنا دیا۔(خط/کتاب/ڈائری)

2۔ خط لکھو صاحب، نہ لکھنے کی وجہ، آدھ آنے ہیں بخل نہ کرو۔(کنجوس/فراخ دلی/دریا دلی)

3۔ کتنا کثیرالاحباب آدمی تھا۔کوئی وقت ایسا نہ تھا کہ میرے پاس دو رچار دوست نہ ہوتے ہوں(زیادہ دوست رکھنے والا/کم دوست رکھنے والا/کچھ دوست رکھنے والا)

دوست نہ ہوتے ہوں(زیادہ دوست رکھنے والا/کم دوست رکھنے والا/کچھ دوست رکھنے والا)

4۔ اگر آپ آزردہ نہیں تو جس دن میرا خط پہنچے، اس کے دوسرے دن اس کا جواب لکھیئے ۔(غم گین/تنہا/بیمار)

5۔ آگرے کا کیا حال ہے؟ وہاں کے رہنے والے کچھ خائف ہیں یا نہیں(ڈرنے والا/ہنسنے والا/رونے والا)

III. اظہار مافی الضمیر/تخلیقی اظہار

(الف) ذیل میں دیئے گئے سوالوں کے جواب 5-6 جملوں میں لکھیے ۔

1۔ مرزا غالب کے حالات زندگی پر نوٹ لکھیئے ۔

2۔ غالب اپنے دوست مرزا تفتہ سے کس بات کی فرمائش کرتے ہیں ؟

3۔ اپنے کلام کے بارے میں غالب حاتم علی مہر سے کیا کہتے ہیں ؟

4۔ فقیر کو دیکھ کر غالبؔ کو کیوں رونا آیا ؟

(ب) ذیل میں دیئے گئے سوالوں کے جواب 12-10 جملوں میں لکھیے۔

1۔ خطوط کے ذریعہ غالب نے ہرگوپال تفتہ سے کیا گفتگو کی۔ مفصل لکھیئے۔

2۔ غالبؔ نے مرزا حاتم علی مہرؔ صاحب کو کس سلسلہ میں خط لکھا تھا تفصیل سے لکھئے۔

(ج) تخلیقی انداز میں لکھیے۔

☆ اپنے دوست کو خط لکھیے جس میں امتحان کی تیاری کا ذکر ہو۔

فرہنگ

آزردہ	=	غم گین۔رنجیدہ
اوائل	=	ابتدائی۔اوّل کی جمع
بخل	=	کنجوس
بیرنگ	=	بنا ٹکٹ کے
خائف	=	ڈرنے والا۔خوف کھانے والا
زمزمہ پرواز	=	راگ گانے والا
طلائی لوح	=	سونے کی تختی
کثیرالاحباب	=	زیادہ دوست رکھنے والا
کوس	=	فاصلہ ناپنے کا پیمانہ، دو میل
مراسلہ	=	خط
مہتمم	=	ناشر۔اہتمام کرنے والا
ہاترس	=	اتر پردیش کا تاریخی شہر
ہرکارہ	=	ڈاکیہ۔پوسٹ میں

1۔ علم ہجا

حروف کی آوازوں اوران کی تحریری شکلوں کا نام ''علم ہجا'' ہے۔

حروف تہجی/مفرد حروف

حروف تہجی ''ا'' سے ''ے'' تک ہوتے ہیں جن کو سادہ آواز والے حروف یا مفرد حروف بھی کہتے ہیں۔جن کی تعداد (36) ہے۔

ا ب پ ت ٹ ث ج چ ح خ

د ڈ ذ ر ڑ ز ژ س ش ص ض

ط ظ ع غ ف ق ک گ ل م ن و ہ ی ے

ہکاری آواز والے حروف/مرکب حروف

دوچشمی (ھ) سے مل کر بننے والے حروف ہکاری آواز والے حروف یا مرکب حروف کہلاتے ہیں۔جن کی تعداد (14) ہے۔

بھ پھ تھ ٹھ جھ چھ دھ ڈھ ڑھ کھ گھ لھ نھ

☆ ان الفاظ کے فرق کو پہچانئے۔

بہک بھٹک پہاڑ پھاڑ تہائی تھالی ٹہتی ٹھنڈی

دہن دھن ڈہر ڈھیر گہر گھر

لہسن چولھا مہمان مھمان چہل چھل نہانا ننھا

آواز کے اعتبار سے حروف تہجی کی قسمیں

آواز کے اعتبار سے حروف تہجی کی دو قسمیں ہیں:

1. حروف علت 2. حروف صحیح

حروف علت:

وہ حروف جسے ادا کرتے وقت اس کی آواز دانت یا زبان وغیرہ سے نہیں ٹکراتی حروف علت کہلاتے ہیں۔
اور یہ تین ہیں۔ ا و ی

حروف صحیح:

ا، واوری کے علاوہ باقی حروف ''حروف صحیح'' کہلاتے ہیں۔

مثلاً لفظ ''کام'' میں ک اور م حروف صحیح ہیں اور ''ا'' حروف علت ہے۔اسی طرح الفاظ ''رو'' اور ''سی'' میں ''ر'' اور ''س'' حروف صحیح ہے اور ''و'' اور ''ی'' حروف علت ہیں۔

مشق1: ذیل کے الفاظ میں حروف علت کے نیچے خط کشیدہ کیجئے۔احمد، شوکت، قومی، یکجہتی

مشق2: ذیل کے الفاظ میں حروف علت والے الفاظ الگ کیجئے۔

علم۔فخر۔عورت۔دانا۔عمل۔ایران۔ہندوستانی۔نفع۔سرکاری۔عمل۔وفاداری۔تعریف

حروف شمسی۔حروف قمری

ان دونوں الفاظ پر غور کیجئے۔

عبدالرزاق القمر

☆ پہلا لفظ عبدالرزاق میں ''د'' کا ٹکاؤ ''ر'' پر ہو رہا ہے۔درمیان کا ''ا'' اور ''ل'' نہیں پڑھا جا رہا ہے۔

حروف شمسی:

جب کسی لفظ پر الف لام لگایا جائے اور وہ الف لام نہ پڑھا جائے تو حروف شمسی کہلاتا ہے۔

حروف شمسی:

ت، ث، د، ذ، ر، ز، س، ش، ص، ض، ط، ظ، ل، ن،

☆ دوسرے لفظ القمر میں ''ا'' کا ٹکاؤ ''ل'' پر ہو رہا ہے۔یعنی ق سے پہلے ''ا'' اور ''ل'' پڑھا جا رہا ہے جیسے ال + قمر = القمر

حروف قمری:

جب کسی لفظ پر الف لام لگایا جائے اور وہ الف لام پڑھا جائے تو حروف قمری کہلاتا ہے۔

حروف قمری:

ا ب ج ح خ ع غ ف ق ک م و ہ ی

مشق: ان الفاظ کو پڑھئے اور ''ال'' کے بعد حروف' حروف شمسی ہے یا قمری جدول کے مطابق لکھئے۔

الفاظ	حرف	حروف شمسی/حروف قمری
رمضان المبارک		
علاؤالدین		
دارالسلام		
عبدالرحمٰن		
یوم الجمعہ		

2. علم صرف

علم صرف میں بامعنی الفاظ سے بحث کی جاتی ہے۔

☆ کلمہ

ذیل کے جملوں کو غور سے پڑھئے۔

1. انور کی شادی دھوم دھام سے ہوئی۔
2. بات چیت کے ذریعہ ہر مسئلہ کا حل تلاش کیا جا سکتا ہے۔
3. وہ ہمیشہ ٹال مٹول سے کام لیتے ہیں۔

اوپر کے جملوں میں ''دھوم'' کے ساتھ ''دھام'' بات کے ساتھ ''چیت'' ٹال کے ساتھ ''مٹول'' شور کے ساتھ ''شرابا'' اور روٹی کے ساتھ ''ووٹی'' کا استعمال ہوا ہے۔ دھوم' بات' ٹال' شور اور روٹی بامعنی الفاظ ہیں جب کہ دھام' چیت' مٹول' شرابا اور ووٹی بے معنی الفاظ ہیں۔

اس طرح مندرجہ بالا جملوں میں دو طرح کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ ان میں ایک بامعنی اور دوسرا بے معنی لفظ ہیں۔

بامعنی لفظ کو کلمہ اور بے معنی لفظ کو مہمل کہتے ہیں۔

مشق: جھوٹ موٹ۔ کھانا وانا۔ کپڑے وپڑے۔ کام وام۔ پانی وانی۔ کتاب وتاب

☆ کلمہ کے اقسام:

اس جملے کو غور سے پڑھئے۔

''خدا نے انسان کو علم کی دولت سے نوازا ہے''

یہ جملہ دس کلموں پر مشتمل ہے۔ اس سے پورا مطلب واضح ہو رہا ہے۔ اس میں خدا' انسان' علم' دولت اور سرفراز ایسے پانچ کلمے ہیں جو بامعنی ہیں۔

ایسے الفاظ جو اپنے معنی آپ دیتے ہیں مستقل کلمہ کہلاتے ہیں۔ مستقل کلمہ کو اجزائے کلام بھی کہتے ہیں۔

اوپر کے جملے میں نے ''کو'' کی اور سے ایسے کلمے ہیں جو اپنے معنی تنہا نہیں دیتے بلکہ دوسروں سے مل کر دیتے ہیں۔

ایسے الفاظ جو دوسرے الفاظ سے مل کر معنی دیتے ہیں غیر مستقل کلمہ کہلاتے ہیں۔

اس طرح کلمہ کی دو قسمیں ہیں:

1۔ مستقل کلمہ/اجزائے کلام

2۔ غیر مستقل کلمہ

مشق: 1. سب کا خالق اللہ ہی ہے۔

2. روٹی کی عزت کرو۔

3. ماں باپ کا کہنا مانو۔

4. سڑک پر مت چلو۔

غیر مستقل کلمہ کے اقسام

(الف) ان جملوں کو غور سے پڑھئے۔

1. یہ نجمہ کی کتاب ہے۔ 2. کرسی پر بیٹھو۔

3. راشد گھر میں ہے۔ 4. بچے میدان سے آئے۔

ان جملوں میں خط کشیدہ الفاظ کی 'پر' 'میں' سے ایسے الفاظ ہیں۔ جن کے اپنے آپ میں کوئی معنی نہیں ہوتے۔ بلکہ یہ دوسرے الفاظ کے ساتھ مل کر ایک دوسرے کو جوڑتے ہیں۔ یا تعلق کو ظاہر کرتے ہیں۔

وہ الفاظ جو ایک لفظ کا تعلق دوسرے لفظ سے ظاہر کرتے ہیں۔ انہیں ''حروف ربط'' کہتے ہیں۔

(ب) ان جملوں کو غور سے پڑھئے۔

1. اسلم اور عامر کھیل رہے ہیں۔

2. نماز کی صف میں امیر و غریب دونوں برابر ہیں۔

3. آصف آیا البتہ کتاب نہیں لایا۔

پہلے جملے میں دو اسموں کو ملانے کے لئے ''اور'' کا استعمال ہوا ہے۔

دوسرے جملے میں دو لفظوں کو ملانے کے لئے ''و'' کا استعمال ہوا ہے۔

تیسرے جملے میں دو جملوں کو ملانے کے لئے ''البتہ'' کا استعمال ہوا ہے۔

ایسے حروف جو دو جملوں یا اسموں کو ملانے کے لیے استعمال ہوتے ہیں ''حروف عطف'' کہلاتے ہیں۔

(ج) ان جملوں کوغور سے پڑھئے۔

1. مجھے کل ہی اسکول جانا ہے۔
2. ثنا بھی سبق پڑھ رہی ہے

ان دونوں جملوں میں ''ہی'' اور ''بھی'' خصوصیت کے معنی ظاہر کررہے ہیں۔

ایسے حروف جو جملے میں خصوصیت کے معنی پیدا کرتے ہیں ''حروف تخصیص'' کہلاتے ہیں۔

(د) ان جملوں کوغور سے پڑھئے۔

1. سبحان اللہ! کیا خوب نظارہ ہے۔

اس جملے میں ''سبحان اللہ'' خوشی کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔

2. افسوس! تم نے وقت کی قدر نہیں کی۔

اس جملے میں ''افسوس'' کا لفظ اظہار تاسف کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔

وہ کلمے یا الفاظ جو دلی خوشی، رنج یا غم، تحسین ونفرت کے اظہار کے لئے یکا یک زبان سے نکل جاتے ہیں یا پھر کسی کو مخاطب کرنے والے الفاظ ''حروف فجائیہ'' کہلاتے ہیں۔

اس طرح غیر مستقل کلمہ کی چار قسمیں ہیں۔

حروف ربط **حروف عطف** **حروف تخصیص** **حروف فجائیہ**

مشق: ان جملوں میں خط کشیدہ الفاظ غیر مستقل کلمے کی کون سی قسم ہے۔قوسین میں لکھئے۔

1. حامد کا گھر بہت بڑا ہے۔ ( )
2. کوثر اسکول سے آئی اور سوگئی۔ ( )
3. اے خدا! ہمیں نیک بنادے۔ ( )
4. شاباش! تم نے اچھے نمبرات حاصل کئے۔ ( )

☆ مستقل کلمہ/اجزائے کلام کے اقسام

علم	عرف	لقب	خطاب	تخلص

ان جملوں کوغور سے پڑھئے۔

1. احمد نیک آدمی ہے۔
2. حیدرآباد خوبصورت شہر ہے۔
3. یہ اردو کی کتاب ہے۔

ان جملوں میں ''احمد'' ایک آدمی کا نام ہے۔ ''حیدرآباد'' ایک شہر (جگہ) کا نام ہے۔ ''کتاب'' ایک چیز کا نام ہے۔

احمد، حیدرآباد، کتاب یہ سب الگ الگ نام ہیں۔

کسی شخص، جگہ یا چیز کے نام کو ''اسم'' کہتے ہیں۔

☆ اسم کے اقسام:

☆ اسم عام ☆ اسم خاص

☆ ان جملوں کو پڑھئے:

☆ احمد نیک آدمی ہے۔ ☆ دلی ایک بڑا شہر ہے۔ ☆ چار مینار بلند عمارت ہے۔

ان جملوں میں ''احمد'' ایک خاص شخص کا نام ہے۔

- دلی ایک مخصوص شہر کا نام ہے۔
- چار مینار ایک خاص عمارت کا نام ہے۔

وہ اسم جو کسی خاص شخص، خاص جگہ یا کسی خاص چیز کا نام ہو ''اسم خاص'' کہلاتا ہے۔

جب کہ اوپر کے جملوں میں آدمی، شہر اور عمارت عام الفاظ ہیں۔

وہ اسم جو کسی عام آدمی، شئے یا مقام کو ظاہر کرے ''اسم عام'' کہلاتا ہے۔

مشق: بتائیے کہ خط کشیدہ لفظ اسم عام ہے یا اسم خاص:

1. یہ ہمارا مدرسہ ہے۔
2. شاکرہ کھیل رہی ہے۔
3. تاج محل دنیا کا ایک عجوبہ ہے۔
4. حنا ذہین لڑکی ہے۔

5. یہ قدیم عمارت ہے۔
6. حیدرآباد ہماری ریاست کا صدر مقام ہے۔
7. ٹوپی پرانی ہے۔
8. صباء کھیل رہی ہے۔
9. گاؤں کا ماحول سرسبز ہوتا ہے۔
10. مور ہمارا قومی پرندہ ہے۔

☆ اسم عام کے اقسام

☆ ان الفاظ کو غور سے پڑھئے۔

قلم کتاب کرسی

قلم لکھنے کے لئے، کتاب پڑھنے کے لئے اور کرسی بیٹھنے کی حیثیت سے الگ الگ پہچانی جاتی ہے۔

وہ اسم جو اپنی مخصوص حیثیت کی وجہ سے پہچانا جائے ''اسم ذات'' کہلاتا ہے۔

☆ بچپن۔ جوانی۔ گولائی۔ مٹیالا۔ اندھیری

مندرجہ بالا تمام الفاظ کسی اسم کی کیفیت یا حالت کو بتا رہے ہیں۔

مثلاً: رات اندھیری ہے۔

وہ اسم جو کسی اسم کی اصل کیفیت یا حقیقت کو بتائے ''اسم کیفیت'' کہلاتا ہے۔

☆ قلم۔ چاقو۔ درانتی۔ بھالا۔ بیلن

یہ تمام اسما آلہ کے طور پر استعمال ہوتے ہیں۔

وہ اسم جو کسی آلہ، اوزار اور ہتھیار کا نام ہو ''اسم آلہ'' کہلاتا ہے۔

گاؤں۔ شہر۔ ضلع

مندرجہ بالا تمام الفاظ عام جگہوں کے نام ہیں۔

صبح سویرے۔ گھنٹہ۔ صدی

مندرجہ بالا تمام الفاظ وقت یا زمانہ کو بتا رہے ہیں۔

وہ اسم جو جگہ یا وقت کو بتائے ''اسم ظرف'' کہلاتا ہے۔

جماعت۔ قطار۔ فوج۔ صف۔ جھنڈ

مندرجہ بالا تمام الفاظ واحد ہیں مگر معنوی اعتبار سے جمع ہیں۔

وہ اسم جو ایک ہی قسم کے افراد یا چیزوں کے لیے بولا جائے یعنی لفظاً واحد اور معناً جمع ہو ''اسم جمع'' کہلاتا ہے۔

اس طرح اسم عام کی پانچ قسمیں ہیں۔

اسم ذات	اسم کیفیت	اسم آلہ	اسم ظرف	اسم جمع

مشق: درج ذیل الفاظ اسم عام کی کون سی قسم ہے؟ خانے میں لکھئے۔

الفاظ	اسم عام کی قسم	الفاظ	اسم عام کی قسم
انسان		آٹھ گھنٹے	
ذہین		کفگیر	
ہجوم		ٹھنڈک	
مسجد		قبرستان	
پوائنٹر		سبل	
مفلسی		سستی	

☆ اسم خاص کے اقسام

☆ ان جملوں کو غور سے پڑھئے۔

❖ عارف بڑا ہو کر ڈاکٹر بننا چاہتا ہے۔

❖ ہمالیہ اونچا پہاڑ ہے۔

❖ عارف 'لڑکے کا پیدائشی نام ہے۔

❖ مکہ مسجد ایک تاریخی مسجد ہے۔

❖ موسیٰ ندی حیدرآباد سے نکلتی ہے۔

❖ مکہ مسجد 'مسجد کے وجود میں آنے کے وقت نام رکھا گیا ہے۔

❖ ہمالیہ اور موسیٰ پہاڑ اور ندی کا نام ہے۔ یہ شروع سے ہی ان ہی ناموں سے جانے جاتے ہیں۔

وہ نام جو کسی شخص یا چیز کے وجود میں آنے کے وقت رکھا گیا ہو ''علم'' کہلاتا ہے۔

☆ ان جملوں کو غور سے پڑھئے۔

موٹو کو لڈو پسند ہے۔

منو سائیکل چلا رہا ہے۔

حامد کے بھائی کا لو کو بلاؤ۔

انو اچھا پڑھتا ہے۔

وہ چھوٹا نام جو محبت یا حقارت سے پکارا جائے ''عرف'' کہلاتا ہے۔

☆ اس جملے پر غور کیجئے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ''کلیم اللہ'' کہا جاتا ہے۔ ''کلیم اللہ'' کے معنی اللہ سے بات کرنے والا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوتے تھے۔ یہ ان کی خصوصیت تھی۔

وہ نام جو کسی صفت یا خاصیت کی وجہ سے مشہور ہو جائے ''لقب'' کہلاتا ہے۔

☆ پدم شری مجتبیٰ حسین نامور مزاح نگار ہیں۔

خط کشیدہ لفظ حکومت کی طرف سے مجتبیٰ حسین کو اعزاز کے طور پر دیا گیا ہے۔

وہ نام جو کسی کارنامے کی وجہ سے حکومت یا بڑوں کی طرف سے دیا جائے ''خطاب'' کہلاتا ہے۔

☆ شیخ محمد ابراہیم ذوقؔ

شاعر کا اصلی نام شیخ محمد ابراہیم ہے۔ شاعری میں انہوں نے اپنا نام ذوقؔ استعمال کیا ہے۔

وہ قلمی نام جو شاعر اپنے کلام میں پیش کرتا ہے ''تخلص'' کہلاتا ہے۔

اس طرح اسم خاص کی پانچ قسمیں ہوتی ہیں:

علم	عرف	لقب	خطاب	تخلص

مشق: ذیل میں اسم خاص کے اقسام کی نشاندہی کر کے لکھئے۔

تاج محل		گوداوری	
حبیب اللہ		غالب	
محمد فاروق		شفا انجم	
چنو		گیان پیٹھ	
حالی		کالو	
پدم وبھوشن		بلبل ہند	

☆ ضمیر

☆ احمد نے کہا کہ میں اسکول جا رہا ہوں تم بھی ساتھ چلو۔

اس جملہ میں، میں اور تم کلمہ میں اسم کی جگہ استعمال ہوئے ہیں۔

ضمیر: وہ کلمہ ہے جو کسی اسم کی جگہ لایا جائے۔

❖ ضمیر کے اقسام:

ذیل کے جملے غور سے پڑھئے:

میں گھر آیا وہ اسکول گیا ہم پڑھ رہے ہیں۔

ان جملوں میں خط کشیدہ الفاظ سے مراد فرد ہے۔

وہ ضمیر جو کسی شخص کے نام کے بجائے استعمال ہو "ضمیر شخصی" کہلاتا ہے۔

☆ ذیل کے جملے غور سے پڑھئے:

یہ کتاب ہے۔ وہ قلم ہے۔

یہ: اشارہ قریب کے لیے استعمال ہوا ہے۔

وہ: اشارہ بعید کے لئے استعمال ہوا ہے۔

وہ ضمیر جو اشارۂ قریب یا بعید کے لئے استعمال ہو "ضمیر اشارہ" کہلاتی ہے۔

☆ ذیل کے جملے غور سے پڑھئے۔

وہ کتاب جو گم ہوگئی تھی مل گئی۔

وہ لوگ کہاں ہیں جنہوں نے دیکھا۔

خط کشیدہ لفظ دو جملوں کو ملا رہا ہے۔

وہ ضمیر جو کسی بیان کی وضاحت یا دو جملوں کو ملانے کے لئے استعمال ہو "ضمیر موصولہ" کہلاتی ہے۔

☆ ذیل کے جملے غور سے پڑھئے:

احمد کہاں جا رہے ہو؟

دیکھو کون آیا ہے؟

تم بازار سے کیا لائے ہو؟

خط کشیدہ الفاظ سوال کرنے کے لئے استعمال ہو رہے ہیں۔

وہ ضمیر جو کوئی سوال پوچھنے کے لئے استعمال ہو ''ضمیر استفہامیہ'' کہلاتی ہے۔

☆ ذیل کے جملے غور سے پڑھیئے۔

یہاں کوئی نہیں ہے۔

کسی سے کچھ مت کہو۔

وہ ضمیر جو غیر معین فرد یا شئے کے لئے استعمال ہو ''ضمیر تنکیر'' کہلاتی ہے۔

اس طرح ضمیر کی پانچ قسمیں ہیں:

ضمیر شخصی	ضمیر موصولہ	ضمیر استفہامیہ	ضمیر تنکیر	ضمیر اشارہ

مشق: خط کشیدہ لفظ ضمیر کی کون سی قسم ہے قوسین میں لکھئے:

1. جو چاہے کھالو ( )
2. آپ کہاں ہیں؟ ( )
3. وہ کتاب ہے۔ ( )
4. میں آیا تھا لیکن اس سے ملاقات نہ ہوسکی۔ ( )
5. میں مسجد جا رہا ہوں۔ ( )

صفت:

☆ ذیل کے جملے غور سے پڑھئے۔

وسیم شریر لڑکا ہے۔ مجھے نمکین غذا پسند ہے۔

پہلے جملے میں شریر کا لفظ یہ بتا رہا ہے کہ لڑکے میں شرارت کی صفت موجود ہے جب کہ دوسرے جملے میں نمکین کا لفظ یہ بتا رہا ہے کہ غذا میں نمک شامل ہے۔

صفت وہ کلمہ ہے جو اسم کی کیفیت یا خصوصیت کو ظاہر کرے۔

صفت کے اقسام:

ذیل کے جملے غور سے پڑھئے۔

☆ یہ کتاب ہلکی ہے۔ یہ کتاب رنگین ہے۔

اوپر کے پہلے جملے میں کتاب کی اندرونی کیفیت کو بتایا جا رہا ہے جب کہ دوسرے جملے میں کتاب کی ظاہری حالت کو بتایا جا رہا ہے۔

وہ صفت جو کسی اسم کی اندرونی یا بیرونی حالت و کیفیت کو بتائے ''صفت ذاتی'' کہلاتی ہے۔

☆ ذیل کے جملے غور سے پڑھئے:

یہ لڑکا حیدرآبادی ہے۔

یہ ایرانی کھجور ہے۔

اوپر کے جملوں میں لڑکے کو حیدرآباد سے اور کھجور کو ایران سے منسوب کیا جا رہا ہے۔

وہ صفت جو کسی اسم سے ''ی'' معروف کے ذریعہ منسوب کی جائے ''صفت نسبتی'' کہلاتی ہے۔

☆ ذیل کے جملے غور سے پڑھئے۔

دس آم لے لو۔ دو کتابیں لے جاؤ۔

اوپر کے جملوں میں خط کشیدہ الفاظ اسم کی تعداد کو بیان کر رہے ہیں۔

وہ صفت جو اسم کی تعداد کو بتائے ''صفت عددی'' کہلاتی ہے۔

☆ ذیل کے جملے غور سے پڑھیے۔

تن بھر کپڑا من بھر روئی

اوپر کی مثال میں تن بھر اور من بھر مقدار کو ظاہر کرتے ہیں۔

وہ صفت جو اسم کی مقدار کو بتائے ''صفت مقداری'' کہلاتی ہے۔

☆ ذیل کے جملے غور سے پڑھیے۔

تم سا جہاں میں کوئی نہیں

ایسی موٹر کار میں نے نہیں دیکھی۔

اوپر کے جملوں میں ''تم سا'' اور ''ایسی'' صفت ضمیری ہے۔

وہ ضمائر جو صفت کا کام دیتے ہیں ''صفت ضمیری'' کہلاتے ہیں۔

اس طرح صفت کی پانچ قسمیں ہیں:

صفت ذاتی	صفت نسبتی	صفت عددی	صفت مقداری	صفت ضمیری

مشق: ان جملوں میں خط کشیدہ الفاظ صفت کی کون سی قسم ہے؟ قوسین میں لکھئے۔

1. اس کی حرکت جنگلی کی طرح ہے ( )
2. جیسا کام ویسا نام ( )
3. میں نے جی بھر کر آم کھائے۔ ( )
4. ساتواں سبق کون سا ہے؟ ( )
5. سخی آدمی ہر دلعزیز ہوتا ہے۔ ( )
6. مہینے میں تیس دن ہوتے ہیں ( )
7. چلّو بھر پانی میں ڈوب مرو۔ ( )
8. سورہ فاتحہ مکی ہے ( )
9. آم لذیذ میوہ ہے ( )
10. ویسے بزرگ اب کہاں ( )

فعل

ان جملوں کو غور سے پڑھیے۔

☆ احمد نے سبق پڑھا۔

☆ جاوید ہنس رہا ہے۔

☆ راشد اپنی کامیابی پر خوش ہوگا۔

اوپر کے جملوں میں پڑھا، ہنس رہا ہے، خوش ہوگا۔

یہ سب ایسے الفاظ ہیں جو کسی کام کے کرنے یا ہونے کا پتہ دے رہے ہیں۔

وہ کلمہ جس سے کسی کام کا کرنا یا ہونا معلوم ہو۔

☆ فعل کی قسمیں (بلحاظ زمانہ)

درج ذیل جملے کو پڑھیے۔

☆ احمد نے سبق پڑھا۔

احمد کا سبق پڑھنا گزرے ہوئے زمانے میں پایا جا رہا ہے۔

وہ کام جو گزرے ہوئے زمانے میں واقع ہو ''فعل ماضی'' کہلاتا ہے۔

☆ احمد سبق پڑھ رہا ہے۔

اس جملے میں احمد کا سبق پڑھنا جاری ہے۔

وہ کام جو موجودہ زمانے میں جاری رہے ''فعل حال'' کہلاتا ہے۔

☆ احمد سبق پڑھے گا۔

اس جملے میں احمد کا سبق پڑھنا آئندہ زمانے میں واقع ہوگا۔

وہ کام جو آئندہ زمانے میں واقع ہو ''فعل مستقبل'' کہلاتا ہے۔

اس طرح بلحاظ زمانہ فعل کی تین قسمیں ہیں:

ماضی حال مستقبل

مشق: ان جملوں میں فعل بہ اعتبار زمانہ کون سی قسم ہے قوسین میں لکھئے۔

1. بارش ہورہی ہے ( )
2. مورناچ رہا تھا ( )
3. بچے کل اسکول جائیں گے ( )

☆ فعل ماضی کے اقسام

ان جملوں پر غور کیجئے اور فرق کو پہچانئے۔

حامد آیا	حامد آیا ہے	حامد آیا تھا	حامد آرہا تھا	حامد آیا ہوگا	اگر کاش حامد آیا ہوتا

جدول سے معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ ماضی میں حامد کے آنے کی چھ صورتیں ہیں۔

☆ پہلی صورت میں صرف حامد کے آنے کا ذکر ہے یعنی حامد آیا۔

وہ فعل جس سے کسی کام کے زمانہ ماضی میں ہونے کی صرف خبر ملتی ہے فعل ماضی مطلق کہلاتا ہے۔

☆ دوسری صورت میں حامد کو آئے تھوڑی دیر ہوئی یعنی حامد آیا ہے۔

وہ فعل ماضی جس میں کسی کام کو انجام پائے تھوڑا ہی وقت ہوا ہو۔ فعل ماضی قریب کہلاتا ہے۔ اس کی پہچان یہ ہے کہ جملہ ''ہے'' پر ختم ہوتا ہے۔

☆ تیسری صورت میں حامد کو آئے بہت دیر ہو چکی ہے۔ یعنی حامد آیا تھا۔

وہ فعل ماضی جس میں کسی کام کو انجام پائے ہوئے بہت دیر ہو چکی ہو فعل ماضی بعید کہلاتا ہے۔ اس کی پہچان یہ ہے کہ جملہ ''تھا'' پر ختم ہوتا ہے۔

☆ چوتھی صورت میں حامد کے آنے کا فعل ابھی جاری ہے مکمل نہیں ہوا ہے۔

وہ فعل ماضی جس سے کسی کام کا گذشتہ زمانہ میں جاری رہنا معلوم ہو وہ فعل ''ماضی استمراری'' کہلاتا ہے۔ اسکی پہچان یہ ہے کہ جملہ ''رہا تھا'' پر ختم ہوتا ہے۔

☆ پانچویں صورت میں حامد کے آنے کے بارے میں شک پایا جارہا ہے۔

وہ فعل ماضی جس میں کسی کام کا گذشتہ زمانے میں ہونا شک و احتمال کے ساتھ ہو ''فعل ماضی شکیہ یا احتمالی'' کہتے ہیں۔ اس کی پہچان یہ ہے کہ جملہ ''رہا ہوگا'' پر ختم ہوتا ہے۔

☆ آخری صورت میں حامد کا آنا شرط کے ساتھ پایا جارہا ہے۔

وہ فعل ماضی جس میں کسی کام کے کرنے یا ہونے میں کوئی شرط یا تمنا پائی جائے اسے ''فعل ماضی شرطیہ/تمنائی'' کہتے ہیں۔اس کی پہچان یہ ہے کہ جملہ ''کاش یا اگر'' سے شروع ہوگا۔

اس طرح فعل ماضی کی چھ قسمیں ہوئیں:

ماضی مطلق	ماضی قریب	ماضی بعید	ماضی استمراری/ناتمام	ماضی احتمالی/شکیہ	ماضی تمنائی/شرطیہ

مشق: ان جملوں کو پڑھیے اور فعل ماضی کی اقسام کی نشاندہی کیجئے:

1. ہاتھی گنا کھا رہا تھا ( )
2. عارف گھر پہنچ چکا ( )
3. کاش! میں نے وقت کی قدر جانی ہوتی ( )
4. گلشن میں پھول مہکا ہے۔ ( )
5. شاید اسما سبق یاد کر رہی ہوگی ( )

☆ فعل حال:

ان جملوں پر غور کیجئے:

☆ سورج چمکتا ہے۔ ☆ گھوڑا دوڑ رہا ہے۔

☆ آسیہ پڑھتی ہے۔ ☆ ریل جارہی ہے۔

وہ فعل جو موجودہ زمانے میں کیا جارہا ہو فعل حال کہلاتا ہے۔فعل حال کی پہچان یہ ہے کہ فعل کے ساتھ تا، تی، رہا، رہی، رہے ہیں آتا ہے۔

ان جملوں کو غور سے پڑھئے۔

☆ حامد کل آئے گا۔ ☆ خوشبو پھیلے گی۔

وہ فعل جس میں آئندہ زمانہ پایا جائے فعل مستقبل کہلاتا ہے۔

☆ فعل۔فاعل۔مفعول

ان جملوں کو پڑھئے اور خط کشیدہ الفاظ پر غور کیجئے۔

راشد گیا　　کوثر پڑھ رہی ہے　　رؤف لکھے گا

وہ کلمہ جس سے کسی کام کا کرنا یا ہونا ثابت ہو فعل کہلاتا ہے۔

☆ ان جملوں کو پڑھئے اور خط کشیدہ الفاظ پر غور کیجئے:

لڑکیاں جھولا جھول رہی ہیں۔

محمود سائیکل چلا رہا ہے۔

وہ اسم جس کے ذریعہ کام انجام پاتا ہے یعنی کام کرنے والے کو ''فاعل'' کہتے ہیں۔

☆ ان جملوں کو پڑھئے اور خط کشیدہ الفاظ پر غور کیجئے:

حامد نعت پڑھ رہا ہے۔

نجمہ برتن دھو رہی ہے۔

حامد، نجمہ اور عمران کے ذریعہ کام انجام دیا جا رہا ہے۔یعنی فاعل کے کام کا اثر خط کشیدہ الفاظ پر ہو رہا ہے۔جو مفعول ہیں۔

وہ اسم جس پر فاعل کے فعل کا اثر ہو ''اسم مفعول'' کہلاتا ہے۔

مشق: ان جملوں میں فعل، فاعل اور مفعول کی نشاندہی کیجئے۔

جملے:	فعل	فاعل	مفعول
ندیم نماز پڑھ رہا ہے۔			
اسلم نے سانپ مارا۔			
قلی سامان اٹھا رہا ہے۔			
ماں کھانا پکا رہی ہے۔			
عارف سائیکل چلا رہا ہے۔			

☆ فعل لازم۔فعل متعدی۔فعل ناقص

☆ ان جملوں کوغور سے پڑھئے۔

رفیع گیا۔

شاہدہ نے لکھا۔

معلم نے پڑھایا۔

ان جملوں میں گیا' لکھا اور پڑھایا فعل ہے۔جس کو رفیع' شاہدہ اور معلم انجام دے رہے ہیں جو فاعل ہیں۔اس طرح یہ جملے فعل اور فاعل سے مکمل ہو رہے ہیں۔

جب کوئی جملہ فعل اور فاعل سے مکمل ہو تو اس فعل کو ''فعل لازم'' کہتے ہیں۔

☆ ان جملوں کوغور سے پڑھئے:

خالد فٹ بال کھیل رہا ہے

ہاتھی گنا کھا رہا ہے۔

نجمہ کپڑے سکھا رہی ہے۔

اوپر کے تمام جملوں میں فاعل کے فعل کا اثر فٹ بال' گنا اور کپڑوں

جب جملے میں فعل' فاعل' مفعول پایا جائے تو اسے ''فعل متعدی'' کہتے ہیں۔

☆ ان جملوں کوغور سے پڑھئے۔

اکبر بیمار ہے

شیر زخمی ہے۔

چار مینار قدیم عمارت ہے۔

ایسا جملہ جس میں فاعل کے فعل کا اثر دکھائی نہ دے بلکہ اسم کی کیفیت ظاہر ہو ''فعل ناقص'' کہلاتا ہے۔

اس طرح معنی کے لحاظ سے فعل کی تین قسمیں ہیں:

فعل لازم	فعل متعدی	فعل ناقص

مشق: ان جملوں میں فعل لازم، متعدی اور ناقص کی نشاندہی کیجئے۔

جملے	فعل	فاعل	مفعول	فعل لازم/فعل متعدی/فعل ناقص
1. سورج طلوع ہوا۔				
2. ہاشم نے غریب کی مدد کی۔				
3. صفیہ گڑیا سے کھیل رہی ہے۔				
4. طلبا اسکول گئے۔				

☆ فعل معروف۔ فعل مجہول

ان جملوں کو غور سے پڑھئے اور فرق محسوس کیجئے۔

کالم (الف)	کالم (ب)
ثریا نے خط لکھا	خط لکھا گیا
شاکرہ نے برتن دھوئے	برتن دھوئے گئے
ہارون نے سانپ مارا	سانپ مارا گیا
ساحرہ نے شربت پیا	شربت پیا گیا
ماں نے روٹی بنائی	روٹی بنائی گئی

کالم (الف) کے تمام جملوں میں ثریا، شاکرہ، ہارون، ساحرہ اور ماں فاعل ہیں۔

جب جملے میں فعل کا فاعل معلوم ہو تو فعل معروف کہلاتا ہے۔

کالم (ب) کے تمام جملوں میں خط، برتن، سانپ، شربت اور روٹی مفعول ہیں۔ جب کہ لکھا گیا، دھوئے گئے، مارا گیا، پیا گیا، بنائی گئی فعل ہے۔

ان جملوں میں فعل تو واقع ہو رہا ہے لیکن فاعل نامعلوم ہے جو کہ فعل مجہول ہے۔

وہ فعل جس کا فاعل معلوم نہ ہو "فعل مجہول" کہلاتا ہے۔

مشق: ان جملوں میں فعل معروف اور فعل مجہول کی نشاندہی کیجئے:

1. مدرسہ کی صفائی کرائی گئی۔ ( )
2. حبیب نے سبق پڑھایا۔ ( )
3. تختہ سیاہ صاف کیا گیا۔ ( )
4. ناصر نے ڈھول بجایا۔ ( )

☆ فعل مثبت۔ فعل منفی

ان جملوں پر غور کیجئے۔

کالم (الف)	کالم (ب)
راشد پڑھتا ہے	راشد نہیں پڑھتا ہے
عارف بازار گیا	عارف بازار نہیں گیا

کالم (الف) میں فعل کا ہونا پایا جا رہا ہے جبکہ کالم (ب) میں فعل کے نہ ہونے کا پتہ چل رہا ہے۔

فعل مثبت: کسی فعل کا انجام پانا فعل مثبت ہے۔

فعل منفی: کسی فعل کا نہ ہونا فعل منفی ہے۔

مشق: مثبت جملوں کو منفی اور منفی جملوں کو مثبت میں تبدیل کیجئے:

جملے:	
سرور روزانہ اخبار پڑھتا ہے۔ وہ رات دن محنت کرتا ہے۔	

☆ فعل امر۔ فعل نہی

ذیل کے جملوں کو سمجھ کر پڑھئے۔

کالم (الف)	کالم (ب)
صبح سویرے اٹھو	دیر تک مت جاگو
ہمیشہ سچ بولو	جھوٹ مت بولو

کالم (الف) کے جملوں میں مخاطب کو حکم دیا جا رہا ہے۔ حکم کو امر کہتے ہیں۔

وہ فعل جس میں کسی کو کوئی کام کرنے کا حکم دیا جائے ''فعل امر'' کہلاتا ہے۔

کالم (ب) کے جملوں میں مخاطب کو کسی کام سے روکا جا رہا ہے اسکو نہی کہتے ہیں۔

وہ فعل جس کو کرنے سے کسی کو روکا جائے فعل نہی کہلاتا ہے۔

اس طرح فعل کی دو قسمیں ہیں:

فعل امر　　فعل نہی

مشق: ان جملوں میں فعل امر اور فعل نہی کی نشاندہی کیجئے۔

	فعل امر/فعل نہی
وقت پر کھانا کھاؤ فضول خرچی مت کرو۔ سڑک پر مت کھیلو۔ سمجھ کر پڑھو۔	

☆ متعلق فعل

☆ ان جملوں کو پڑھئے اور خط کشیدہ الفاظ پر غور کیجئے:

شاکرہ اچھا پڑھتی ہے۔

خالدہ جلدی اٹھ جاتی ہے۔

علی وقت پر اسکول جاتا ہے۔

ان جملوں میں 'اچھا' 'جلدی اور وقت پر' کا لفظ فعل کی کیفیت کو بتا رہا ہے۔

وہ الفاظ جو فعل کی مختلف حالتوں کو بیان کرے متعلق فعل کہلاتا ہے۔

مشق: ان جملوں میں متعلق فعل کی نشاندہی کیجئے۔

1. ادھر ادھر مت دیکھو۔ (　　)
2. سویرے اٹھو۔ (　　)
3. دس بار پڑھو۔ (　　)
4. خوشخط لکھو۔ (　　)

3. علم نحو

علم نحو وہ علم ہے جس میں کلموں کی باہمی تعلق، ترتیب، تطبیق اور کلام کی معنوی حیثیت اور ساخت سے بحث ہوتی ہے۔

لفظ: حروف کے بامعنی مجموعے کو لفظ کہتے ہیں۔

درج ذیل الفاظ پر غور کیجئے:

حصہ الف:		حصہ ب:	
الفاظ:	معنی:	الفاظ:	معنی:
قوس	کمان	قوس قزح	دھنک
ہفت	سات	ہفت گنبد	سات گنبد

حصہ الف کے الفاظ مفرد ہیں جو مکمل معنی دے رہے ہیں جب کہ حصہ ب کے الفاظ دو لفظوں سے مرکب ہیں۔ دونوں لفظ مل کر ایک مکمل معنی دے رہے ہیں اور ایک ہی مفہوم کو ادا کر رہے ہیں۔

مفرد لفظ: بامعنی واحد لفظ کو مفرد لفظ کہتے ہیں۔

مرکب لفظ: دو لفظوں کا بامعنی مجموعہ مرکب لفظ کہلاتا ہے۔

اس طرح لفظ کی دو قسمیں ہیں:

1. مفرد لفظ 2. مرکب لفظ

مشق: ان میں سے مفرد اور مرکب الفاظ کو جدول کے مطابق لکھئے:

لال قلعہ۔ تعظیم۔ چار مینار۔ گول گنبد۔ مزدور۔ فلک نما۔ عمارت۔ اہمیت۔ شادکام

مفرد الفاظ:	
مرکب الفاظ:	

☆ مرکب لفظ کے اقسام:

مرکب غیر اضافی مرکب اضافی

☆ ذیل کے جملوں پر غور کیجئے:

حصہ الف:	حصہ ب:
سرخ گلاب	مسجد کا مینار
فلک نما	کشمیر کا میوہ
چڑیا گھر	اللہ کی عبادت

حصہ (الف) کے الفاظ دو لفظوں سے مرکب ہیں بعض وقت ایک مکمل معنی و مفہوم کی ادائیگی کے لیے دو یا دو سے زائد الفاظ کا سہارا لیتے ہیں۔

دو یا دو سے زائد الفاظ کو ایک ہی معنی و مفہوم کے لیے جوڑنا مرکب غیر اضافی کہلاتا ہے۔ جس کو ''مرکب امتزاجی'' بھی کہتے ہیں۔

جب کہ حصہ (ب) کے الفاظ میں مینار کا تعلق مسجد سے، لوگوں کا تعلق شہر سے، میوہ کا کشمیر سے اور عبادت کا تعلق اللہ کے ساتھ ظاہر کیا گیا ہے۔ ایسے تعلق کو جو دو اسموں یا اسم ضمیر کے درمیان واقع ہو ''اضافت'' کہتے ہیں اور جس کے تعلق ظاہر کیا جائے اسے ''مضاف الیہ'' اور جس کا تعلق ظاہر کیا جائے اسے ''مضاف'' کہتے ہیں۔ اوپر کی مثالوں میں مسجد، شہر، کشمیر اور اللہ ''مضاف الیہ'' ہے جب کہ مینار، لوگ، میوہ اور عبادت مضاف ہے۔

ایک اسم کا تعلق دوسرے اسم، صفت یا فعل سے جوڑنے کو مرکب اضافی کہتے ہیں۔

(مضاف اور مضاف الیہ کے مجموعہ کو مرکب اضافی کہتے ہیں)

مضاف: جس کا تعلق جوڑا جائے اسے مضاف کہتے ہیں۔

مضاف الیہ: جس کے ساتھ تعلق جوڑا جائے مضاف الیہ کہتے ہیں۔

مشق: ذیل میں کون سا لفظ مرکب اضافی اور کون سا غیر اضافی قوسین میں لکھئے:

1. قومی زبان ( )
2. مدرسہ کے طلبا ( )
3. انور کی کتاب ( )
4. محنتی لوگ ( )
5. راستے کے مسافر ( )
6. قومی پرچم ( )

☆ اضافت کی صورتیں

ذیل کے جملوں پر غور کیجئے:

حصہ (الف):	حصہ (ب):
آزادی کا دن تعمیر کا فن	یوم آزادی فن تعمیر

حصہ الف اور حصہ ب کے تمام الفاظ مرکب اضافی ہیں اور معنی و مفہوم کے لحاظ سے یکساں ہیں۔ فرق یہ ہے کہ حصہ الف کے الفاظ میں ''دن'' کا ''آزادی'' سے ''فن'' کا ''تعمیر'' سے تعلق ظاہر کرنے کے لئے 'کا' 'کی' کے وغیرہ کا استعمال کیا گیا ہے اور یہ حروف ''حروف اضافی'' کہلاتے ہیں۔ جب کہ حصہ ب کے الفاظ میں مضاف اور مضاف الیہ کے تعلق کو ظاہر کرنے کے لئے زیر اور ہمزہ کا استعمال کیا گیا۔ زیر اور ہمزہ کے استعمال کو ''علامت اضافی'' کہتے ہیں۔

کسرہ اضافت:

زیر کے استعمال سے بننے والے مرکب لفظ میں زیر کو **''کسرہ اضافت''** کہتے ہیں۔

ہمزہ اضافت:

ہمزہ کے استعمال سے بننے والے مرکب لفظ میں ہمزہ کو **''ہمزہ اضافت''** کہتے ہیں۔

مشق: ذیل کے مرکب الفاظ میں حروف اضافی والے الفاظ کو علامت اضافی میں اور علامت اضافی سے بننے والے الفاظ کو حروف اضافی میں تبدیل کیجئے۔

شب معراج		ایمان کی حالت	
ترانۂ ہندی		بازار حسن	
مغفرت کی دعا		مشرق کا شاعر	
قابل ذکر		وادیٔ سندھ	

☆ درج ذیل مرکب الفاظ پر غور کیجئے:

ترکیب توصیفی:

گل سرخ = سرخ گلاب

قصۂ پارینہ = پرانا قصہ

ترکیب اضافی:

شاعر مشرق = مشرق کا شاعر

وادیٔ سندھ = سندھ کی وادی

اوپر کے دونوں مثالیں یعنی ترکیب توصیفی اور ترکیب اضافی مرکب الفاظ ہیں۔ ترکیب توصیفی میں معنی دیکھنے پر پہلا لفظ آخری اور آخری لفظ پہلا ہو گیا ہے اور اس میں کا' کی' کے کا اضافہ نہیں ہو رہا ہے اور جب کہ ترکیب اضافی میں معنی دیکھنے پر کا' کی' کے کا اضافہ ہو رہا ہے۔

ترکیب توصیفی: جب کوئی لفظ ہمزہ اضافت' یا کسرہ اضافت کے ساتھ استعمال ہو مگر'' کا' کی' کے'' کے معنی پیدا نہ ہوں تو ایسے مرکب کو'' ترکیب توصیفی'' کہتے ہیں۔

ترکیب اضافی: جب کوئی لفظ ہمزہ اضافت یا کسرہ اضافت کے استعمال ہو اور کا' کی' کے کا اضافہ کرتے ہوں تو ایسے مرکب کو'' ترکیب اضافی'' کہتے ہیں۔

☆ مرکب توصیفی:

☆ ان الفاظ کو پڑھیے:

ٹھنڈا شربت۔ نیلا آسمان۔ ذہین لڑکا۔ طاقتور ہاتھی

اوپر کی مثالوں میں شربت کو ٹھنڈا' آسمان کو نیلا' لڑکے کو ذہین اور ہاتھی کو طاقتور کے ساتھ وصف بیان کرنے کے لئے جوڑا گیا ہے۔ یعنی ٹھنڈا۔ نیلا۔ ذہین۔ طاقتور یہ تمام صفات ہیں۔ شربت' آسمان' لڑکا اور ہاتھی یہ تمام موصوف ہیں۔

جو مرکب صفت اور موصوف سے مل کر بنے اس کو'' مرکب توصیفی'' کہتے ہیں۔

مشق: درج ذیل الفاظ میں موصوف اور صفت کی نشاندہی کیجئے۔

	جملے	موصوف	صفت
.1	سرد موسم		
.2	جنگلی جانور		
.3	سرخ دوپٹہ		
.4	بزدل انسان		

☆ ہم معنی/مترادف

☆ ان الفاظ پر غور کیجئے:

چاند۔کو قمر، ماہ، مہتاب اور بدر بھی کہتے ہیں۔

سورج۔کو شمس، مہر، آفتاب اور خورشید بھی کہتے ہیں۔

عقل۔کو سمجھ، فہم، ادراک اور دانش بھی کہتے ہیں۔

کسی ایک چیز کو الگ الگ ناموں سے پکارا جائے تو ایسے الگ الگ نام ایک دوسرے کے ''مترادف یا ہم معنی'' کہلاتے ہیں۔

مشقI: ذیل کے مترادف لکھئے:

1. عقلمند:.....

2. پرچم:.....

3. بحر:.....

4. ثمر:.....

5. بستر:.....

6. خواہش:.....

مشقII: جدول میں سے الفاظ اور ان کے مترادفات تلاش کر کے لکھئے:

معلم	لغزش	بارش	مشکل	عزم	وہم	جنگل	فرمان	گیت	ایثار
دشت	حوصلہ	جنت	مینہ	ظروف	طویل	عدل	بہادری	فرشتہ	ظلمت
لمبا	گمان	حکم	قربانی	برتن	استاد	ملک	خطا	ثواب	نغمہ
انصاف	شجاعت	اجر	جدید	آواز	دشوار	بہشت	صدا	تاریکی	نیا

☆ متضاد الفاظ

ان الفاظ پر غور کیجئے:

صبح وشام　　زمین وآسمان

مشرق ومغرب　　نشیب وفراز

ایسے الفاظ جو واؤ عطف سے اپنی ضد کے ساتھ استعمال ہوں ''متضاد الفاظ'' کہلاتے ہیں۔

مشق I: ان الفاظ کے متضاد الفاظ لکھئے:

1. خاص:..... 2. قدرتی:.....

3. جنت:..... 4. خرید:.....

5. حلال:..... 6. شمال:.....

مشق II: جدول میں سے ایک دوسرے کے اضداد تلاش کر کے لکھئے:

حق	شاہ	بد	طول	بہار	خوبصورت	حقیقی	داخل	شکست	نادان
قریب	آزاد	ظاہر	قدیم	موت	ادنیٰ	بلند	قلیل	بدصورت	بعید
حجازی	کثیر	خارج	قید	مصنوعی	نیک	گدا	سزا	دانا	دیر
فتح	جدید	اعلیٰ	پست	باطل	بقاء	نقصان	عرض	زوال	ذلت
طلوع	باطن	جزا	عزت	حیات	عروج	غروب	خزاں	فنا	حرم

سابقہ

ان الفاظ پر غور کیجئے:

باادب　　ہم عمر

بے وفا　　لاتعداد

ناواقف　　صاحب عزت

اوپر کے تمام الفاظ مرکب ہیں اور مکمل معنی ومفہوم ادا کر رہے ہیں۔ خط کشیدہ الفاظ کو شروع میں جوڑ کر معنی میں وسعت پیدا کی گئی ہے۔

> کسی لفظ کے شروع میں جز جڑ کر ایک خاص معنی پیدا کرنے والے جز کو ’سابقہ‘‘ کہا جاتا ہے۔

مشق: مناب سابقہ جوڑ کر لفظ کو مکمل کیجئے:

1. ......جواب	2. ......شکل
3. ......موجودگی	4. ......شان
5. ......نگرانی	6. ......نصیب
7. ......گناہ	8. ......خبر
9. ......ایمان	10. ......قرار

مشق II : دیے گئے سابقہ کی مدد سے مرکب لفظ لکھئے:

1. لا : لاحاصل ....
2. نا : ناواقف ....
3. با : باشعور ....
4. اہل : اہل وطن ....
5. ہم : ہم خیال ....

لاحقہ:

ان الفاظ پر غور کیجئے:

بھولا پن	تجربہ کار
شفاخانہ	درس گاہ

اوپر کے تمام الفاظ مرکب ہیں اور مکمل معنی ومفہوم ادا کر رہے ہیں۔ لفظ کے بعد خط کشیدہ الفاظ کو جوڑ کر معنی میں وسعت پیدا کی گئی ہے۔

> کسی لفظ کے بعد جز جڑ کر ایک خاص معنی پیدا کرنے والے جز کو ’لاحقہ‘‘ کہتے ہیں۔

مشق I: مناسب لاحقہ جوڑ کر لفظ کو مکمل کیجئے:

1. درد ..... 2. ضرورت .....

3. مضمون ..... 4. اطاعت .....

5. جادو ..... 6. مدد .....

7. فن ..... 8. کتب .....

9. دوا ..... 10. غم .....

مشق II: دیے گئے لاحقہ کی مدد سے مرکب الفاظ لکھئے:

1. خانہ : بت خانہ ....

2. دار : سرمایہ دار ....

3. دان : عطردان ....

4. کار : صلاح کار ....

5. گاہ : چراگاہ ....

☆ تکرار لفظی

ان جملوں پر غور کیجئے:

احمد خوشی خوشی چلا گیا۔ گھر گھر دیپ جلے۔

ان دونوں جملوں میں ''خوشی'' اور ''گھر گھر'' کا لفظ دو بار استعمال کیا گیا ہے۔

کسی بات پر زور دینا ہو تو الفاظ کی تکرار کی جاتی ہے ایسی ترکیب کو ''تکرار لفظی'' کہتے ہیں۔

ان دونوں جملوں پر غور کیجئے:

☆ آج انسان کو ہر قدم پر مشکلات کا سامنا ہے۔

☆ آج انسان کو قدم قدم پر مشکلات کا سامنا ہے۔

دونوں جملوں پر غور کریں گے تو یقیناً دوسرا جملہ معنی اور مفہوم کے لحاظ سے معنی خیز ہے۔

مشق I: دیے گئے تکرار لفظی سے دو دو جملے لکھئے:

اپنا اپنا۔ بڑی بڑی۔ چلتے چلتے۔ ساتھ ساتھ۔ الگ الگ۔ قسم قس۔ کون کون۔ کبھی کبھی۔ بات بات۔ بار بار

جملہ:

جس طرح حروف کا مجموعہ ''لفظ'' کہلاتا ہے۔اسی طرح لفظوں کا مجموعہ ''جملہ'' کہلاتا ہے۔

الفاظ کا ایسا مسلسل مجموعہ جس سے بات پورے طور پر سمجھ میں آجائے ''جملہ'' کہلاتا ہے۔

جملے کے اجزاء/عناصر:

پرغور کیجئے:

1. اکبر نماز پڑھ رہا ہے۔

اس جملے کے دو جز ہیں:

پہلا جز: اکبر

دوسرا جز: نماز پڑھ رہا ہے۔

ان دونوں اجزاء کو جملے کے ''عناصر'' کہتے ہیں۔ ہر جملہ دو عناصر سے مکمل ہوتا ہے۔ جملے کے دو عناصر ہیں: 1. مبتدا۔ 2. خبر

مبتدا: جملے کا پہلا لفظ مبتدا کہلاتا ہے۔

خبر: مبتدا کے تعلق سے جو بات بتلائی جائے خبر کہلاتی ہے۔

اکبر : پہلا جز ہے جو مبتدا ہے۔ مبتدا ہمیشہ شروع میں ہوتا ہے۔ نماز پڑھ رہا ہے: دوسرا جز ہے جو خبر ہے۔ خبر ہمیشہ مبتدا کے بعد آتا ہے۔

نوٹ : مبتدا ہمیشہ اسم یا ضمیر ہوگا جو فاعلی حالت میں ہوگا۔ جب کہ خبر اسم، صفت یا فعل ہوں گے۔

جیسے: وہ پڑھتا ہے۔

اس جملے میں ''وہ'' مبتدا ہے ضمیر ہے اور فاعلی حالت میں ہے۔ پڑھتا ہے ''خبر ہے'' فعل ہے۔ خبری حالت میں ہے۔

(الف) اس جملے پرغور کیجئے:

شہر حیدرآباد خوبصورت ہے۔

اس جملے میں حیدرآباد مبتدا ہے اس کی مزید وضاحت کے لئے ''شہر'' کا اضافہ کیا گیا ہے۔ جو کہ ''توسیع'' ہے۔

جب مبتدا کی مزید وضاحت کے لیے کوئی لفظ آئے تو اس کو ''توسیع مبتدا'' کہتے ہیں۔

(ب) اس جملے پرغور کیجئے:

☆ عاصم چار امرود لایا۔

اس جملے میں ''عاصم'' مبتدا ہے۔ جب کہ ''امرود لایا'' خبر ہے اور ''چار'' خبر کی توسیع ہے۔

خبر کی مزید وضاحت کے لئے کوئی لفظ کا استعمال ہو تو اسے ''خبر کی توسیع'' کہتے ہیں۔

مشق I: ان جملوں میں مبتدا اور ''مبتدا کی توسیع'' اور خبر اور ''خبر کی توسیع'' کی نشاندہی کیجئے۔

1. شہر مکہ میں اونچے اونچے مکانات اور عالی شان مساجد ہیں۔
2. اسکولی طلبہ اپنے ہم جماعت کے ساتھ بیت بازی کر رہے ہیں۔
3. حیدرآباد کو قلی قطب شاہ نے چار سو سال قبل بسایا تھا۔
4. میں اور میرے محلے والے اس پرانے کنویں سے پانی پیتے ہیں۔
5. خالد روزانہ اپنے دوستوں کے ساتھ کھیلتا ہے۔

مبتدا	مبتدا کی توسیع	خبر	خبر کی توسیع

جملے کے اقسام (صورت کے لحاظ سے)

☆ اس جملے پر غور کیجئے:

امجد محنت سے پڑھتا ہے۔

''امجد'' مبتدا ہے۔ ''محنت سے پڑھتا ہے'' خبر ہے۔

جب کسی جملے میں ایک مبتدا اور ایک خبر ہو تو ''مفرد جملہ'' کہلاتا ہے۔

اس جملے پر غور کیجئے:

امجد محنت سے پڑتا ہے تاکہ وہ کامیابی حاصل کر سکے۔

امجد محنت سے پڑھتا ہے۔ایک مفرد جملہ ہے۔

وہ کامیابی حاصل کرسکے۔ایک مفرد جملہ ہے۔

جب دو یا دو سے زیادہ مفرد جملے مل کر کسی ایک مفہوم یا خیال کو ادا کریں تو ایسے جملے کو ''مرکب جملہ'' کہتے ہیں۔

اس طرح صورت کے لحاظ سے جملے کی دو قسمیں ہیں:

مفرد جملہ　　　　مرکب جملہ

مشق I: ذیل کے جملوں میں مفرد اور مرکب جملے کی نشاندہی کیجئے:

1. وہ روزانہ ورزش کرتا ہے۔　　2. سب آئے مگر ساجد نہیں آیا۔
3. رحیم بازار گیا اور ترکاری خرید لایا۔　　4. اس کا گھر بہت بڑا ہے۔
5. نجمہ اچھا پڑھتی بھی ہے اور گھر کے کاموں میں ماں کا ہاتھ بھی بٹاتی ہے۔
6. ریل وقت پر پہنچے گی۔　　7. اطہر سائیکل چلا رہا تھا لیکن اچانک گر گیا۔
8. بادل گرج رہے تھے اور بارش ہو رہی تھی۔　　9. چڑیا گھونسلے میں ہے۔
10. میں جا رہا تھا اس نے پکارا۔

جملے کی قسمیں (معنی کے لحاظ سے):

اس جملے پر غور کیجئے:

نجم السحر سبق پڑھ رہی ہے۔

اس جملے میں نجم السحر کے سبق پڑھنے کی خبر دی جا رہی ہے۔اس میں سچ اور جھوٹ کا گمان ممکن ہے۔

جملہ خبریہ: وہ جملہ جس میں کسی واقعہ یا حالت یا کیفیت کی خبر دی جائے اور اس میں سچ اور جھوٹ کا گمان پایا جائے ''جملہ خبریہ'' کہلاتا ہے۔

☆ اس جملے پر غور کیجئے:

نجم السحر سے کہو کہ وہ سبق پڑھے۔

جملہ انشائیہ: وہ جملہ جس میں کہنے والے کا دلی منشا یا جذبات ظاہر ہوں اور اسمیں سچ اور جھوٹ کا گمان نہ ہو ''جملہ انشائیہ'' کہلاتا ہے۔

اس طرح معنی کے لحاظ سے جملے کی دو قسمیں ہیں:

جملہ خبریہ　　جملہ انشائیہ

مشق I: ان جملوں میں جملہ خبریہ اور جملہ انشائیہ کی نشاندہی کیجئے:

1. خوب محنت کرو۔　　2. بچے میدان میں کھیل رہے ہیں۔
3. سالن میں نمک زیادہ ہے۔　　4. پابندی سے اسکول جاؤ۔
5. ارے بچو! کدھر گئے۔　　6. کوثر خوشخط لکھتی ہے۔
7. تم سب آپس میں مت لڑو۔　　8. واجد شریر لڑکا ہے۔

☆ لوازم اسم

1۔ جنس　　2۔ تعداد　　3۔ حالت

1۔ جنس (جنس حقیقی)

حصہ (الف اور حصہ (ب) کے جملوں پر غور کیجئے:

حصہ (الف):	حصہ (ب):
لڑکا کھیلتا ہے۔	لڑکی کھیلتی ہے۔
دھوبی آئے گا۔	دھوبن آئے گی۔
ہرن پکڑا گیا	ہرنی پکڑی گئی۔

اوپر کے جملوں میں لڑکا، دھوبی اور ہرن سب جاندار ہیں اور ''نر'' ہیں جس کو ''مذکر'' کہتے ہیں۔

لڑکی، دھوبن اور ہرنی یہ سب جاندار ہیں اور ''مادہ'' ہیں جو ''مونث'' کہلاتے ہیں۔

اسی طرح تمام جاندار ''نر'' کے مقابل جاندار مادہ اور ''جاندار مادہ'' کے مقابل ''جاندار نر'' ہوتے ہیں۔

''نر'' جاندار کے مقابل ''مادہ'' اور ''مادہ جاندار'' کے مقابل ''نر'' ہو تو اس کو ''جنس حقیقی'' کہتے ہیں۔

اس کی دو قسمیں ہیں:

1. مذکر　　2. مونث

1. پہچان: جس جاندار کے آخر میں ''الف'' یا ''ہ'' ہو وہ عام طور پر ''مذکر'' ہوتے ہیں جیسے: بچہ۔لڑکا
2: جس جاندار کے آخر میں ی، ن، نی، انی ہو وہ عام طور پر ''مونث'' ہوتے ہیں جیسے بچی، مالن، اونٹنی، مغلانی

مشق1: ذیل سے مذکر اور مونث کو الگ الگ کیجیے:

بکری، فقیر، ناگن، جیٹھ، گدھا، شہزادہ، جگنو، بلبل، مورنی، بوڑھی

مذکر	مونث

جنس غیر حقیقی:

ان جملوں پر غور کیجیے:

پیالہ قیمتی ہے	پیالی ٹوٹ گئی
ٹوکرا لاؤ۔	محمود نے ٹوکری لائی
شیشہ خالی ہے۔	یہ عطر کی شیشی ہے۔

اوپر کی مثالوں میں پیالہ، ٹوکرا اور شیشہ مذکر استعمال ہوئے ہیں۔ پیالی، ٹوکری اور شیشی مونث استعمال ہوئے ہیں جو تمام کے تمام غیر جاندار ہیں۔

غیر جاندار اشیاء کی تذکیر و تانیث ''جنس غیر حقیقی'' کہلاتی ہے۔

پہچان: غیر جاندار اسما کے آخر میں ''ا'' ''یا'' ''ہ'' ہو تو وہ عام طور پر مذکر ہوتے ہیں۔ جیسے: پودا، بندہ، سکہ، افسانہ، پروانہ، سونا وغیرہ۔

اسی طرح غیر جاندار اسما کے آخر میں ی، ت، ہو تو وہ عام طور پر مونث ہوتے ہیں۔ جیسے: ٹوپی، چاندنی، شکایت، موت۔

اس طرح جنس کی دو قسمیں ہیں:

1. جنس حقیقی:
   - مذکر (تذکیر)
   - مونث (تانیث)

2. جنس غیر حقیقی:
   - مذکر (تذکیر)
   - مونث (تانیث)

مشق1: ذیل کے جملوں میں موجود اسماء کو جدول کے مطابق لکھئے۔

سلسلہ نمبر	جملے:	جنس حقیقی		جنس غیر حقیقی	
		مذکر	مونث	مذکر	مونث
1	دریائے گوداوری تلنگانہ کی اہم دریا ہے۔				
2	مزدور دن رات محنت کرتے ہیں۔				
3	نجمہ چھری سے ترکاری کاٹ رہی ہے۔				
4	چڑیا کھیت میں دانہ چگ رہی ہے۔				
5	درزی شیروانی سی رہا تھا لیکن سوئی ٹوٹ گئی۔				

2۔ تعداد

(الف) ان جملوں کو غور سے پڑھئے اور فرق محسوس کیجئے:

لڑکا آیا	لڑکے آئے
گائے دودھ دیتی ہے	گائیں گھاس کھاتی ہیں۔
یہ اردو کی کتاب ہے	یہ کتابیں رافع کی ہیں۔
میری ٹوپی نئی ہے	اس دوکان میں اچھی ٹوپیاں ہیں

اوپر کے جملوں میں لڑکا' گائے' کتاب اور ٹوپی ایک ایک چیز کے نام ہیں۔ یہ سب واحد ہیں۔ جب کہ لڑکے' گائیں' کتابیں' ٹوپیاں یہ ایک سے زیادہ چیزوں کے نام ہیں۔ یہ سب جمع ہیں۔

واحد: ایک کو واحد کہتے ہیں۔
جمع: ایک سے زائد کو جمع کہتے ہیں۔
تعداد: اسماء یا چیزوں کی گنتی کو تعداد کہتے ہیں۔

(ب) ان جملوں پر غور کیجئے:

بچہ کھڑا ہے۔	بچے کھڑے ہیں۔
مدرسہ بند ہے۔	مدرسے کھل گئے۔

اوپر کی مثالوں پر غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ جس واحد مذکر کے آخر میں ''الف'' یا ''ہ'' ہو تو اس کی جمع میں ''ے'' سے بدل دیتے ہیں۔ (سوائے چند الفاظ کے جیسے دریا، راجہ، چچا، دادا، نانا)

(ج) ان جملوں کو غور سے پڑھئے:

لڑکی آئی	لڑکیاں آئیں۔
ٹوکری نئی ہے	ٹوکریاں نئی ہیں۔
گھوڑی دوڑ رہی ہے	گھوڑیاں دوڑ رہی ہیں۔

اوپر کی مثالوں سے معلوم ہوا کہ جس مونث کے آخر میں ''ی'' ہو اس کے آخر میں ''اں'' بڑھا دینے سے جمع بن جاتا ہے۔

(د) ان جملوں پر غور کیجئے:

گھٹا چل رہی ہے۔	گھٹائیں چل رہی ہیں۔
ہوا چل رہی ہے	ہوائیں چل رہی ہیں۔

اوپر کے جملوں سے پتہ چل رہا ہے کہ جن واحد مونث الفاظ کے آخر میں ''ا'' ہوتا ہے جمع میں ان کے بعد ''ئیں'' بڑھا دیتے ہیں۔

(ھ) ان جملوں کو پڑھیئے:

چڑیا ڈال پر بیٹھی ہے۔	چڑیاں اڑ گئیں۔
یہ میری گڑیا ہے۔	سیما کے پاس کئی گڑیاں ہیں۔

جن واحد مونث الفاظ کے آخر میں ''یا'' ہو ان کی جمع میں ''ں'' بڑھا دیتے ہیں۔

مشق 1: جدول میں دئے گئے جملے پڑھئے اور ان کی مناسبت سے آگے کے خانوں میں لکھئے۔

جملے:	واحد مذکر	جمع مذکر	واحد مونث	جمع مونث
بلیاں دودھ پی رہی ہیں۔				
لڑکے آم کے درخت پر کھیل رہے ہیں۔				
یہ گھر نیا ہے لیکن دکانیں قدیم ہیں۔				
لڑکا کتاب میں اسباق کی تعداد دیکھ رہا ہے۔				
لڑکیاں کپڑے ہوا میں سکھا رہی ہیں۔				
معلّمہ نے طلبا کو تعلیمی مقاصد بتائیے۔				

3۔ اسم کی حالتیں:

حالت فاعلی	حالت مفعولی	حالت اضافی	حالت ظرفی	حالت ندائی	حالت خبری

☆ ان جملوں پر غور کیجئے:

معلم پڑھا رہا ہے۔ ندیم لکھ رہا ہے۔

دونوں جملوں میں معلم اور ندیم فاعل ہیں۔یعنی پڑھانے اور لکھنے کا فعل ان دونوں سے صادر ہو رہا ہے۔لہٰذا معلم اور ندیم فاعلی حالت میں ہیں۔

جب جملے میں کوئی اسم فاعل واقع ہو تو اس اسم کی ایسی حالت کو ''حالت فاعلی'' کہتے ہیں۔

☆ ان جملوں کو پڑھئے:

نجمہ خط لکھ رہی ہے۔ مرغی دانہ چگ رہی ہے۔

ان جملوں میں خط اور دانہ مفعول ہیں۔یعنی لکھنے کا اثر' خط پر اور چگنے کا اثر ''دانے'' پر پڑ رہا ہے لہٰذا خط اور دانہ مفعولی حالت میں ہے۔

جب جملے میں کوئی اسم' مفعول واقع ہو تو اس کی ایسی حالت کو ''حالت مفعولی'' کہتے ہیں۔

☆ اس جملے پر غور کیجئے:

لڑکو! سبق یاد کرو۔

اس جملے میں لڑکوں کو پکارا جا رہا ہے۔لہٰذا ''لڑکو'' حالت ندائی میں ہے۔

جب جملے میں کوئی اسم منادی واقع ہو تو اس کی ایسی حالت کو ''حالت ندائی'' کہتے ہیں۔

☆ اس جملے پر غور کیجئے۔

راشد بیمار ہے۔

اس جملے میں راشد کے متعلق خبر دی جا رہی ہے لہٰذا بیمار اسم کی حالت خبری ہے۔

جب جملے میں کوئی اسم کی خبر واقع ہو تو اس کی ایسی حالت کو ''حالت خبری'' کہتے ہیں۔

☆ ان جملوں پر غور کیجئے:

انور کا گھر اسلم کی کتاب

گھر کا تعلق انور سے اور کتاب کا تعلق اسلم سے بتایا جا رہا ہے۔ یعنی انور اور اسلم مضاف الیہ ہے۔ گھر اور کتاب مضاف اور کا' کی حروف اضافت ہیں۔ لہٰذا انور اور اسلم حالت اضافی میں ہیں۔

جب جملے میں کوئی اسم مضاف الیہ واقع ہو تو اسم کی ایسی حالت کو ''حالت اضافی'' کہتے ہیں۔

اس جملے پر غور کیجئے:

جنید صبح اٹھتا ہے اور اسکول جاتا ہے۔

اس جملے میں صبح اور اسکول اسم ظرف ہیں وقت اور جگہ کو بتا رہے ہیں۔

جب جملے میں کوئی اسم ظرف واقع ہو تو اس کی ایسی حالت کو ''حالت ظرفی'' کہتے ہیں۔

اس طرح اسم کی چھ حالتیں ہیں:

1. حالت فاعلی	2. حالت مفعولی	3. حالت ندائی
4. حالت خبری	5. حالت اضافی	6. حالت ظرفی

مشق 1: ذیل کے جملے کن حالتوں میں ہیں قوسین میں لکھئے:

1. یا اللہ! ہمارے گناہ بخش دے ( )
2. اسلم نے سانپ مارا ( )
3. وہ مسجد سے ابھی آیا۔ ( )
4. اکبر اصغر کا بھائی ہے ( )
5. محمود کا دل بھر آیا ( )
6. عاطف دوڑ رہا ہے۔ ( )

4۔ علم بیان

خوب سے خوب تر کی تلاش انسانی فطرت ہے۔ چنانچہ خوبصورت اور اچھی چیز کو بھی انسان طرح طرح سے آراستہ کر کے اس کے حسن کو مزید چار چاند لگانے کی کوشش کرتا ہے۔ اور حسن و خوبی پیدا کر کے اس سے لطف اندوز ہوتا ہے۔

شعری محاسن کو اجاگر کرنا اور اس سے لطف اندوز ہونا ''علم بیان'' ہے۔

☆ علم بیان کی چار قسمیں ہیں:

1. تشبیہ 2. استعارہ 3. مجاز مرسل 4. کنایہ

☆ اس شعر پر غور کیجئے:

نازکی اس کے لب کی کیا کہئے
پنکھڑی اک گلاب کی سی ہے

اس شعر میں لب کی نازکی کو گلاب کی پنکھڑی کے مثل قرار دیا جا رہا ہے۔

تشبیہ: ایک شئے کو دوسری شئے کے مثل قرار دینا ''تشبیہ'' کہلاتا ہے۔

اس شعر میں ''لب'' مشبہ ہے اور ''گلاب کی پنکھڑی'' مشبہ بہ ہے۔ اور ''کی سی'' حروف تشبیہ ہے۔ اور ''نازکی'' وجہ تشبیہ ہے۔ اور پورا شعر جس مقصد کے لئے بیان کیا جا رہا ہے۔ وہ غرض تشبیہ ہے۔

ارکان تشبیہ پانچ ہیں:

1. مشبہ 2. مشبہ بہ 3. حرف تشبیہ
4. وجہ تشبیہ 5. غرض تشبیہ

☆ اس شعر پر غور کیجئے:

چھوٹے سے چاند میں ہے ظلمت بھی روشنی بھی
نکلا کبھی گہن سے آیا کبھی گہن میں

اس شعر میں چاند سے مراد جگنو ہے جو مستعار لیا گیا ہے نہ کہ حقیقی چاند

استعارہ: لفظ کو اسکے اصلی معنی کے علاوہ کسی دوسرے معنی میں استعمال کرنا ''استعارہ'' کہلاتا ہے۔

☆ اس شعر پر غور کیجئے:

جب ہاتھ اس کی نبض پر رکھا طبیب نے
محسوس یہ کیا کہ بدن میں لگی ہے آگ

اس شعر میں آگ سے مراد بدن کی حرارت ہے نہ کہ حقیقی آگ اور حقیقی معنی مراد لیا بھی نہیں جا سکتا۔

مجاز مرسل: جب کسی لفظ کے حقیقی معنی ترک کر کے صرف مجازی معنی میں استعمال کیا جائے تو ''مجاز مرسل'' کہلاتا ہے۔

☆ اس شعر پر غور کیجئے۔

کہنا کہ دیار غربت میں اک غمزدہ روتا رہتا ہے
دن رات تمہاری فرقت میں منہ اشکوں سے دھوتا رہتا ہے

اس شعر میں 'منہ اشکوں سے دھونا' کنایہ ہے یعنی مرادی معنی لیا جا رہا ہے۔ کیونکہ حقیت میں منہ پانی سے دھویا جاتا ہے۔

کنایہ: کلام میں حقیقی معنی چھوڑ کر مرادی معنی لینا ''کنایہ'' کہلاتا ہے۔ اور حقیقی معنی بھی مراد لیا جا سکتا ہے۔

مشق 1: ان اشعار میں تشبیہ، استعارہ، مجاز مرسل اور کنایہ کی نشاندہی کیجئے۔

ایک روشن دماغ تھا، نہ رہا	شہر میں اک چراغ تھا، نہ رہا (حالی)	( )
طالع سے کسے تھی ایسی امید	نکلا ہے کدھر سے آج خورشید	( )
گر کہے کوئی یا علی حیدر	بھاگے کانوں میں انگلیاں رکھ کر	( )
ہستی اپنی حباب کی سی ہے	یہ نمائش سراب کی سی ہے	( )

5۔ علم بدیع

لفظی ومعنوی خوبیوں کے ذریعے شعر میں حسن پیدا کرنا علم بدیع کہلاتا ہے۔

علم بدیع کی دو قسمیں ہیں:

1. صنائع لفظی 2. صنائع معنوی

صنائع لفظی: کلام میں ایسے الفاظ کا استعمال کرنا جس سے صرف لفظی حسن بڑھ جائے ''صنائع لفظی'' کہلاتا ہے۔

صنعت تجنیس:

اس شعر پر غور کیجئے:

چمن میں کس نے نگاہ ڈالی آج جو کھلکھلاتی ہے گل کی ہر اک ڈالی آج

شعر کے پہلے مصرعہ میں شاعر کہہ رہا ہے کہ آج چمن میں کس نے ایسی نگاہ ڈالی (نگاہ ڈالنا مطلب دیکھنا) جس کی وجہ گل کی ہر ایک ڈالی (گل کی ٹہنی) کھلکھلا اٹھی۔ گویا لفظ ''ڈالی'' کے معنی ہوئے دیکھنا اور گل کی ٹہنی۔

یہ بھی نہ پوچھا صیاد نے کون رہا کون رہا ہو گیا

اس شعر میں ''رہا'' صنعت تجنیس ہے۔ جس میں ''رہا'' کے معنی رہنا اور ''رِہا'' کے معنی آزادی کے ہیں۔ دونوں کا املا ایک ہے۔ اعراب الگ الگ ہیں۔

صنعت تجنیس: کلام میں ایسے الفاظ کا استعمال جو املا میں تو یکساں ہو مگر معنی الگ الگ ہوں ''صنعت تجنیس'' کہلاتا ہے۔

صنعت تکرار:

ان اشعار کو پڑھئے:

آتے آتے آئے گا ان کو میرا خیال
جاتے جاتے بے خیالی جائے گی

(آتے آتے۔ جاتے جاتے)

نہیں کھیل اے داغؔ یاروں سے کہہ دو
کہ آتی ہے اردو زباں آتے آتے

(آتے آتے)

پتہ پتہ بوٹا بوٹا حال ہمارا جانے ہے
جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے باغ تو سارا جانے ہے

(پتہ پتہ۔بوٹا بوٹا)

مندرجہ بالا اشعار میں تکرار لفظی کا استعمال کر کے شعر کے معنوی حسن کو بڑھایا گیا ہے۔

کلام میں ایسے الفاظ لائے جائیں جن کی تکرار سے کلام میں زور اور حسن پیدا ہو جائے تو اسے ''صنعت تکرار'' کہتے ہیں۔

صنعت تضاد:

ان اشعار پر غور کیجئے:

صبح ہوتی ہے شام ہوتی ہے
عمر یوں ہی تمام ہوتی ہے

ہار ہو جیت ہو خوشی ہو یا غم
خوش دلی سے سبھی قبول کرو

پہلے شعر میں صبح اور شام ایک دوسرے کی ضد ہیں۔دوسرے شعر میں ہار۔جیت اور خوشی۔غم ایک دوسرے کے اضداد ہیں۔

کلام میں دو ایسے الفاظ کا استعمال جو معنی کے اعتبار سے ایک دوسرے کی ضد ہوں ''صنعت تضاد'' کہتے ہیں۔

صنائع معنوی:

کلام میں ایسے الفاظ کا لانا جن سے کلام کی معنوی خوبیاں بڑھ جاتی ہوں ''صنائع معنوی'' کہلاتا ہے۔

صنائع معنوی کی قسمیں:

- ☆ صنعت ایہام
- ☆ حسن تعلیل
- ☆ صنعت تلمیح
- ☆ تعلی
- ☆ مراعات النظیر
- ☆ صنعت مبالغہ
- ☆ تجاہل عارفانہ
- ☆ سہل ممتنع

حسن تعلیل:

اس شعر پر غور کیجئے:

پیاسی جو تھی سپاہ خدا تین رات کی
ساحل سے سر پٹکتی تھیں موجیں فرات کی

شاعر فرات کی موجوں کا ساحل سے ٹکرانے کی وجہ سپاہ خدا کی پیاس بتا رہا ہے جب کہ حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔

کمر خمیدہ نہیں ہے بے سبب ضعیفی میں
زمین ڈھونڈ رہا ہوں مزار کے قابل

کمر کے جھکنے کی وجہ ضعیفی ہے۔ مگر شاعر کہہ رہا ہے کہ میں اپنی قبر کے لئے زمین کی تلاش میں جھک کر پھر رہا ہوں۔

شعر میں کسی ایسی بات کو وجہ قرار دینا جو حقیقت میں اس کی وجہ نہ ہو ''حسن تعلیل'' کہلاتا ہے۔

تجاہل عارفانہ:

ان اشعار پر غور کیجئے:

موت کا ایک دن معین ہے
نیند کیوں رات بھر نہیں آتی

شاعر اچھی طرح جانتا ہے کہ محبوب کی یاد میں انہیں رات بھر نیند نہیں آ رہی ہے پھر بھی انجان بنے بیٹھے ہیں۔

دل میں ہر وقت چبھن سی رہتی ہے
تھی مجھے کس کی طلب یاد نہیں

ناصر کاظمی اس میں کہہ رہے ہیں دل میں ہر وقت کسی کی یاد ستاتی تھی مگر انجان بنتے ہوئے کہہ رہے ہیں کس کی یاد ستاتی تھی یاد ہی نہیں۔

کسی بات کو جانتے ہوئے بھی اس سے انجان رہنا ''تجاہل عارفانہ'' کہلاتا ہے۔

صنعت ایہام:

اس شعر پر غور کیجئے۔

آنکھیں دکھلاتی ہیں تماشہ
ارباب غرض کو پتلیوں کا

اس شعر میں لفظ پتلی کے دو معنی لیے جا سکتے ہیں۔ایک پتلی معنی آنکھ کی پتلی۔دوسرا پتلی بمعنی گڑیا کے ہیں۔

شب جو مسجد میں جا پھنسے مومن
رات کاٹی خدا خدا کر کے

اس شعر میں فقرہ ''خدا خدا کر کے'' ایہام ہے جس کے ایک معنی تو ہیں اللہ اللہ کر کے عبادت کر کے اور دوسرا مفہوم ہے مشکل کے ساتھ

جب کلام میں ایسے لفظ کا استعمال کیا جائے جس کے دو معنی ہوں ایک قریب کے دوسرا بعید کے اور مشاعر کا مراد بعید ہوں ''صنعت ایہام'' کہلاتا ہے۔

صنعت مبالغہ:

اس شعر پر غور کیجئے۔

تارے آنکھیں جھپک رہے تھے
تھا بام پہ کون جلوہ گر رات

اس شعر میں شاعر نے محبوب کی خوبصورتی میں مبالغہ آرائی کرتے ہوئے کہہ رہا ہے کہ اتنا چمکدار روشن چہرہ چھت پر کون آیا جس کو دیکھ کر تارے بھی آنکھیں جھپک رہے تھے۔

صنم کہتے ہیں تیری بھی کمر ہے
کہاں ہے کس طرف ہے اور کدھر ہے

اس شعر میں شاعر نے محبوب کی کمر کے پتلے پن میں مبالغہ آرائی سے کام لیا ہے۔

مبالغہ: تعریف یا تذلیل کو بڑھا چڑھا کر پیش کرنا ''صنعت مبالغہ'' کہلاتا ہے۔

تعلّی:

اس شعر پر غور کیجئے۔

ہیں اور بھی دنیا میں سخن ور بہت اچھے
کہتے ہیں کہ غالبؔ کا ہے انداز بیاں اور

اس شعر میں شاعر نے خود اپنی تعریف کی ہے۔

شعر میں خود اپنی تعریف کرنا تعلّی کہلاتا ہے۔

جیسے میرؔ کا یہ شعر

سارے عالم پر ہوں میں چھایا ہوا
مستند ہے میرا فرمایا ہوا

صنعت مراعات النظیر :

آشنا اپنی حقیقت سے ہو اے دہقاں ذرا
دانہ بھی تو، کھیتی بھی تو، باراں بھی تو، حاصل بھی تو
(اقبالؔ)

(دہقاں۔دانہ۔کھیتی۔باراں یہ تمام ایک دوسرے سے مناسبت رکھتے ہیں)

بے وہ تو نہیں ہیں، چمن کی تباہیاں
کچھ باغباں ہیں برق و شرر سے ملے ہوئے

(چمن اور باغبان میں مناسبت ہے)
(برق (بجلی) اور شرر (چنگاری) میں بھی مناسبت ہے)

ایک ہی شعر میں دو باہم مناسبت رکھنے والے الفاظ کا استعمال ''صنعت مراعات النظیر'' کہلاتا ہے۔

صنعت تلمیح:

ان اشعار پر غور کیجئے:

ابن مریم ہوا کرے کوئی
میرے دکھ کی دوا کرے کوئی

اس شعر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مسیحیت کو بتایا جارہا ہے۔

آج بھی ہو گر ابراہیم سا ایماں پیدا
آگ کرسکتی ہے انداز گلستاں پیدا

اس شعر میں ابراہیم علیہ السلام اور آگ تلمیح ہے۔

تلمیح: کلام میں کسی مشہور واقعہ یا کسی مذہبی روایت کی طرف اشارہ کرنا ''صنعت تلمیح'' کہلاتا ہے۔

سہل ممتنع:

☆ اس شعر پر غور کیجئے:

ہستی اپنی حباب کی سی ہے
یہ نمائش سراب کی سی ہے

اس شعر میں شاعر نے گہرے خیال کا اظہار کرتے ہوئے کہتا ہے کہ ہماری ہستی ایک بلبلے کی طرح ہوگئی ہے جو سراب کی طرح نمائش کے لئے رہ گئی ہے۔

☆ اس شعر پر غور کیجئے:

یہ مسائل تصوف یہ تیرا بیان غالبؔ
ہم تجھے ولی سمجھتے جو نہ بادہ خوار ہوتا

سہل ممتنع: ایسا کلام جس میں الفاظ سادہ ہوں بحر چھوٹی اور آسان ہو خیال گہرا ہو لیکن اس کی نثر کرنا آسان نہ ہو ''سہل ممتنع'' کہلاتا ہے۔

6۔ علم الاعداد

آپ نے دیکھا ہوگا کہ عموماً خط یا کسی عبارت کے آغاز سے پہلے 786 لکھا جاتا ہے کیا آپ جانتے ہیں کہ یہ کیوں لکھا جاتا ہے دراصل یہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے اعداد ہیں۔

عربی میں حروف تہجی کی قیمت کو ہندسوں میں ادا کرنے کا نام ''علم الاعداد یا علم جمل'' کہتے ہیں۔

جس میں حروف کی ترتیب اس طرح مقرر کی گئی ہیں۔

ابجد ھوز خطی کلمن سعفص قرشت تخذ ضظغ

حروف کی قیمت اس طرح مقرر کی گئی ہے:

ا	ب	ج	د	ھ	و	ز
1	2	3	4	5	6	7
ح	ط	ی	ک	ل	م	ن
8	9	10	20	30	40	50
س	ع	ف	ص	ق	ر	ش
60	70	80	90	100	200	300
ت	ث	خ	د	ض	ظ	غ
400	500	600	700	800	900	1000

ان ہندسوں کو حروف کی مناسبت سے جوڑ کر تاریخ پیدائش' تاریخ وفات' اور تاریخ نکات کے علاوہ موقع کے لحاظ سے مختلف تواریخ کو ہندسوں کے ذریعہ ظاہر کیا جاتا ہے۔

مطلوبہ تاریخ ایک لفظ ایک فقرہ یا پھر ایک مصرعے کے ذریعہ نکالی جاتی ہے جسے شاعری کی اصطلاح میں **تاریخ گوئی** کہتے ہیں۔

مثلاً: مولانا ابوالکلام آزاد کا تاریخی نام **''فیروز بخت''** ہے۔

جس کے اعداد کا مجموعہ ۱۳۰۵ھ ہے جو ان کی (سنہ ہجری کے لحاظ سے) سال پیدائش ہے۔

ف ی ر و ز ب خ ت

80 + 10 + 200 + 6 + 7 + 2 + 600 + 400 =1305ھ

علامہ اقبال کی تاریخ وفات اس فقرے سے نکلتی ہے

شمع شاعری خاموش

ش م ع ش اع ری خ ام وش

	ش	و	م	ا	خ	ی	ر	ع	ا	ش	ع	م	ش
1938=	300+	6 +	40 +	1 +	600 +	10 +	200 +	70 +	1 +	300 +	70 +	40 +	300

شاہ جہاں نے اپنی چہیتی بیگم ارجمند بانو نور جہاں کی قبر پر تختی لگائی ہے اس پر لکھا ہے۔

غم

1000 + 40 =1040ھ

1040ھ نور جہاں کی تاریخ وفات ہے۔

نوٹ: اردو کے یہ حروف

پ ٹ چ ڈ ڑ ژ گ

عربی میں نہیں پائے جاتے ہیں اس لیے ان کے اعداد عربی کے قریب ترین حروف سے مقرر کیے گئے ہیں جو حسب ذیل ہیں:

پ۔2 ٹ۔400 چ۔3 ڈ۔4 ڑ۔200 ژ۔7 گ۔20

مشق:

1. اپنے اپنے نام لکھ کر حروف کے لحاظ سے اعداد نکال کر جمع کیجئے۔
2. بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے اعداد کو جمع کیجئے اور دیکھئے کہ اعداد کا مجموعہ 786 ہے یا نہیں۔
3. آپ نے دیکھا ہوگا کہ 786 کے نیچے 92 لکھا ہوتا ہے یہ محمدؐ کے اعداد کا مجموعہ ہے آپ بھی اس کی مشق کیجئے۔

7۔ رموز واوقاف/علامات نگارش

☆ اس فقرے کو پڑھیے

''بولومت چپ رہو۔''

اب ان دونوں فقروں کو پڑھئے:

بولو' مت چپ رہو۔

بولومت' چپ رہو۔

علامت لگانے کی وجہ سے پہلے فقرے کا جو مطلب ہے وہ دوسرے فقرے میں اس کے برعکس ہوگیا۔اس لیے ضروری ہے کہ ان علامتوں کا استعمال کیا جائے تا کہ مطلب واضح ہو۔

1. (۔)**خط فاصل (Full Strop)**: جملہ ختم ہونے کے بعد آخر میں یہ علامت لگائی جاتی ہے۔جیسے محمود ایک شریف انسان ہے۔
2. (،)**سکتہ (Comma)**: یہ علامت مختصر ٹھہراؤ کے لئے استعمال کی جاتی ہے۔جیسے ہندوستان میں ہندو، مسلم، سکھ اور عیسائی بستے ہیں۔
3. (؛)**وقفہ (Semicolon)**: یہ علامت طویل ٹھہراؤ کے لئے استعمال کی جاتی ہے۔

جو بوئے گا؛ وہ کاٹے گا جیسا کروگے؛ ویسا بھروگے

4. (:)**رابط (Colon)**: دو مختلف بیانات میں رابطے کے لئے اس علامت کا استعمال کیا جاتا ہے۔
5. (؟)**سوالیہ (Question mark)**: سوالیہ جملے حروف استفہام جیسے کب' کیوں' کیا' کہاں' کس طرح وغیرہ سے بنتے ہیں۔ان کے آخر میں سوالیہ نشان لگاتے ہیں جیسے: کہاں جارہے ہو؟
6. (:۔)**تفصیلیہ (Colon with dash)**: یہ علامت طویل اقتباس یا فہرست سے پیش تر استعمال کی جاتی ہے۔

مثلاً مولانا ابوالکلام نے کہا تھا:۔اس ملک کی بھائی چارگی مجھے عزیز ہے.....

7. (!) **علامت فجائیہ (Exclamatory)**: جب متکلم اپنے دلی جذبات کا اظہار حروف فجائیہ کے ذریعہ کرے تو یہ علامت استعمال کی جاتی ہے جیسے: شاباش! تم نے میدان مارلیا۔
8. () **قوسین (Brackets)**: کسی عبارت یا لفظ کی توضیح وتشریح کو قوسین میں لکھا جاتا ہے جیسے: محمد قلی قطب شاہ (بانی شہر حیدرآباد) نے چارمینار کی تعمیر کی۔
9. (" ") **واوین (Inverted commas)**: جب کسی کے قول کو ان کے الفاظ میں لکھنا ہوتا ہے تو اس کا استعمال کرتے ہیں۔جیسے: حالؔی نے غالبؔ کو ''حیوان ظریف'' کہا ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے''

8۔ محاورہ

محاورہ کے معنی ہیں گفتگو کرنا یا باہم ہم کلام ہونا۔لیکن اہل زبان کی اصطلاح میں دو یا دو سے زیادہ الفاظ کے اس مجموعے کو کہتے ہیں جو کسی نہ کسی مصدر سے مل کر بنا ہوا ہے اور اپنے حقیقی معنی کے بجائے مجازی معنی میں استعمال کیا گیا ہو۔

جیسے: آگ بگولہ ہونا۔پتھر کی لکیر ہونا۔جال بچھانا۔عید کا چاند ہونا وغیرہ۔

محاوروں کو جملے میں استعمال کرنے کے اصول:

1. جملوں میں محاوروں کو استعمال کرنا ہوتا ہے نہ کہ محاوروں کے معنی و مطلب کو۔
2. محاوروں کو مختصر جملوں میں استعمال کرنا چاہئے۔
3. محاوروں کو اس طرح استعمال کرنا چاہئے کہ اس جملے سے محاورے کا پورا پورا مفہوم ادا ہو جائے۔

ذیل میں چند محاورے اور جملوں میں استعمال کرنے کی مثالیں پیش کی گئی ہیں۔

1. منہ سے پھول جھڑنا: خوش کلام ہونا۔

ڈپٹی نذیر احمد کی تقریر سننے پر ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے منہ سے پھول جھڑ رہے ہوں۔

2. لوہے کے چنے چبانا: سخت محنت کرنا۔

ہم نے بہت لوہے کے چنے چبائے تب جا کر کچھ حاصل ہوا۔

3. گھاٹ گھاٹ کا پانی پینا: بہت تجربہ کار ہونا۔

تمہارے جیسے لوگ ہمیں بے وقوف نہیں بنا سکتے۔میں گھاٹ گھاٹ کا پانی پیا ہوا ہوں۔

4. کان دھرنا: غور سے سننا۔

لوگوں کے منہ میں جو آتا ہے کہہ دیتے ہیں تم ہرگز ان کی باتوں پر کان نہ دھرنا۔

5. سبز باغ دکھانا: دھوکا دینا۔

الیکشن کے زمانے میں امیدوار زیادہ سے زیادہ ووٹ حاصل کرنے کے لئے طرح طرح کے سبز باغ دکھاتے ہیں۔

6. چراغ گل ہونا: برباد ہونا۔

1857ء کے غدر کے بعد سلطنت مغلیہ کا چراغ گل ہو گیا۔

7. بال بال بچنا: زبردست خطرے سے بچنا۔

تمہارے حادثے کی خبر سن کر میں گھبرا گیا مگر جب معلوم ہوا کہ آپ بال بال بچ گئے تو خدا کا شکر ادا کیا۔

8. آگ بگولہ ہونا: بہت خفا ہونا۔

انگریزوں کی مکاری پر ہندوستانی فوج آگ بگولہ ہوگئی۔

9. آنکھ لگنا: نیند آجانا۔

پڑھتے پڑھتے معلوم نہیں میری آنکھ کب لگ گئی۔

10. باغ باغ ہونا: بہت خوش ہونا۔

طلبا کی کامیابی کی خبر سن کر میرا دل باغ باغ ہوگیا۔

9۔ کہاوت/ضرب الامثال:

ضرب المثل یا کہاوت سے مراد وہ مختصر فقرہ ہے جو بذات خود اپنی جگہ مکمل معنی دار ہوتا ہے لیکن اپنے حقیقی معنوں سے ہٹ کر دوسرے معنوں میں بطور مثال زبان وادب سے رواج پاتا ہے۔ ہر ضرب المثل/ کہاوت کے پیچھے کوئی نہ کوئی معاشرتی تجربہ یا تہذیبی حقیقت پوشیدہ رہتی ہے۔

ٹیڑھی کھیر:

یعنی مشکل کام ہے۔ یہ کہاوت ایسے وقت بولتے ہیں جب کوئی ٹیڑھا اور بہت مشکل کام سر پر آن پڑے۔

اس کا قصہ یہ ہے کہ ایک شخص نے کھیر پکائی۔ سوچا اللہ کے نام پر کسی فقیر کو بھی تھوڑی سی کھیر دینی چاہئے۔ اسے جو پہلا فقیر ملا اتفاق سے نابینا تھا۔ اور اس فقیر نے کبھی کھیر نہیں کھائی تھی۔ جب اس شخص نے فقیر سے پوچھا ''کھیر کھاؤ گے'' تو فقیر نے سوال کیا ''کھیر کیسی ہوتی ہے؟''

تو اس شخص نے جواب دیا ''سفید ہوتی ہے''۔

اندھے نے سفید رنگ بھلا کہاں دیکھا تھا۔ پوچھنے لگا ''سفید رنگ کیسا ہوتا ہے؟''

اس شخص نے کہا ''بگلے جیسا''۔

فقیر نے پوچھا ''بگلا کیسا ہوتا ہے؟''

اس پر اس شخص نے ہاتھ اٹھایا اور انگلیوں اور ہتھیلی کو ٹیڑھا کر کے بگلے کی گردن کی طرح بنایا اور بولا ''بگلا ایسا ہوتا ہے''۔

نابینا فقیر نے اپنے ہاتھ سے اس شخص کے ہاتھ کو ٹٹولا اور کہنے لگا ''نہ بابا یہ تو ٹیڑھی کھیر ہے' یہ گلے میں اٹک جائے گی' میں یہ کھیر نہیں کھا سکتا۔''

کچھ کہاوتیں یہ ہیں:

- ☆ گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے۔
- ☆ ناچ نہ جانے' آنگن ٹیڑھا۔
- ☆ ٹیڑھی کھیر۔
- ☆ ایک انار سو بیمار۔
- ☆ سو سنار کی ایک لوہار کی۔
- ☆ کوا چلا ہنس کی چال۔

☆ مدعی سست گواہ چست۔

☆ کھسیانی بلی کھمبا نوچے۔

☆ لیمو نچوڑ۔

☆ نیکی کر دریا میں ڈال

☆ سر منڈاتے ہی اولے پڑے

☆ آپ کی جوتیوں کا صدقہ

☆ خربوزے کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے

☆☆☆☆

سرسری مطالعہ

مصنف کا تعارف

سرزمین دکن کو اپنی جن مایہ ناز شخصیتوں پر فخر ہے ان میں ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور بھی اہمیت کے حامل ہیں۔ آپ 25 ڈسمبر 1905ء کو حیدرآباد کے محلّہ شاہ گنج میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد ایک صوفی مزاج شاعر تھے۔ ابتدائی تعلیم دارالعلوم سے حاصل کی۔ جامعہ عثمانیہ سے 1927ء میں ایم۔اے امتیازی کے ساتھ کامیاب کیا' حکومت کے وظیفہ پر یوروپ گئے اور 1929ء میں پی۔ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ پیرس میں دوسال تحقیقی کام کیا۔ واپسی پر جامعہ عثمانیہ میں اردو کے استاد مقرر ہوئے۔ کچھ عرصے کے لئے شعبہ اردو کے صدر رہے پھر چادرگھاٹ کالج کے پرنسپل مقرر ہوئے۔ وظیفہ کے بعد کشمیر یونیورسٹی میں اردو کے صدر پروفیسر مقرر ہوئے۔ 20 ستمبر 1962ء کو بمقام سری نگر میں انتقال ہوا وہیں تدفین عمل میں آئی۔

مولوی عبدالحق کی طرح ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور نے بھی اردو زبان وادب کی خدمت کے لئے اپنی زندگی وقف کردی تھی۔ وہ اردو کے پروفیسر' ادیب' افسانہ نگار' نقاد اور محقق ہی نہیں بلکہ اردو کے محسن اور ادیبوں کے سرپرست بھی تھے۔ 1931ء میں انہوں نے ادارۂ ادبیات اردو کی بنیاد رکھی تھی جس کا مقصد ملک کے ہونہار ادیبوں اور شاعروں کی ہمت افزائی کرنا اور ان کی تخلیقات کی اشاعت کا اہتمام کرنا تھا۔ اردو ادب کے قدیم سرمایہ کی دریافت ڈاکٹر زور کا اہم کارنامہ ہے۔ انہوں نے ادارۂ ادبیات اردو کے لئے ایک عمارت ایوان اردو تعمیر کروائی جو دکن کی تاریخ' تہذیب وتمدن کے نوادرات اور ادبی اثاثہ وآثار کا ایک قابل دید مخزن ہے۔ ادارہ کی جانب سے ماہ نامہ سب رس جنوری 1938 سے باقاعدہ شائع ہورہا ہے۔ سرسری مطالعہ کے تحت ڈاکٹر محی الدین قادری زور کے افسانے دئے جارہے ہیں جو ان کی کتاب ''سیر گولکنڈہ'' سے لئے گئے ہیں۔ یہ تمام نیم تاریخی افسانے ہیں۔ اس کو افسانہ کے تحت ہی پڑھا جائے۔

ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور نے اردو ادب میں کئی کتابیں تصنیف وتالیف کیں جن میں روح تنقید 20 سال کی عمر میں لکھی۔ اردو شہ پارے' ہندوستانی لسانیات' کلیات محمد قلی قطب شاہ' میر محمد مومن' گارساں دتاسی' داستان ادب حیدرآباد' سیر گولکنڈہ' گولکنڈہ کے ہیرے' دکنی ادب کی تاریخ اور ادبی تحریریں شامل ہیں اردو ادب میں تنقید اور علم لسانیات کے بانی کے طور پر شہرت رکھتے ہیں۔ ماضی میں حیدرآباد کو باغ نگر کہا جاتا تھا۔

1. مشک محل

باغ نگر کو آباد ہوئے زیادہ عرصہ نہیں گزرا۔ اکثر عمارتیں ابھی زیر تعمیر ہیں۔ موسیٰ ندی کے کنارے سرسبز و شاداب باغوں کی داغ بیل ڈالی جا رہی ہے' دولت خانہ عالی کی تزئین و آرائش ابھی مکمل نہیں ہوئی ہے' امرائے عظام بھی شاہی حکم کی تعمیل میں اپنے اپنے عشرت کدوں کی طرح اندازی میں سرگرم ہیں۔

گولکنڈہ کی دولت عیش و عشرت اور علمی و ادبی قدر و منزلت کے افسانے بیجاپور اور شاہجہاں آباد سے گزار کر اصفہان و سمرقند تک پھیل چکے ہیں' تاجروں اور قسمت آزماؤں کا ہر قافلہ ایران و توران اور روم و شام سے نکلتے وقت باغ نگر کے صاحب ذوق بادشاہوں اور فیاض امیروں کے دربار اور ڈیوڑھیوں تک رسائی حاصل کرنے کو اپنی قسمت کی معراج سمجھتا ہے۔ روئے زمین کا کوئی خطہ ایسا نہیں ہے جہاں کے انسان باغ نگر اور گولکنڈہ کے بازاروں میں نظر نہ آتے ہوں۔ یہاں کی گلیوں میں طرح طرح کی بولیاں سنائی دیتی ہیں۔ آئے دن نو واردوں کا ایک نہ ایک کاروان یا قافلہ گولکنڈہ کی سر بہ فلک فیصلوں کے سایہ میں خیمہ افگن نظر آتا ہے اور شاید ہی کوئی بدنصیب ہوگا جو رود موسیٰ کے دامن نشینوں کی فیاضی اور غریب نوازی سے محروم ہو جاتا ہو۔

باغ نگر کے جنوب مغرب کی طرف رود موسیٰ کے جنوبی ساحل پر ایک بڑی عمارت کی گہری بنیادیں تیار ہو رہی ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ قطب شاہی دربار کا کوئی ذی مرتبت امیر باغ نگر سے ذرا ہٹ کر ایسی جگہ اپنے لئے ایک شبستان تیار کرانا چاہتا ہے جہاں سے وہ ہر صبح اپنے محبوب قلعہ کی فصیلوں اور ان کی دائمی نگہبان بالا حصار کی زیارت اور ہر شام اپنے آقا کی پیاری بستی کے لاتعداد چراغوں سے اپنی آنکھوں کو روشن کر سکتا ہے۔

انہی بنیادوں کے قریب ندی کے اس پار ایک نیا قافلہ خیمہ زن ہے جس کے اردگرد بیسیوں اونٹ نظر آ رہے ہیں۔ صبح کا سہانا وقت ہے' آفتاب کی کرنیں ابھی ابھی بالا حصار کی بالائی چوٹیوں پر چمکنی شروع ہوئی ہیں' گولکنڈہ کی فصیلوں کی طرف سے چند سوار موسیٰ ندی کی آہستہ خرام موجوں کی طرف بڑھتے نظر آ رہے ہیں اور ان کا رخ ندی پار کے اس زیر تعمیر محل کی جانب پلٹا ہوا نظر آتا ہے۔ وہ ابھی ندی تک پہنچنے نہیں پاتے ہیں کہ ان کے سردار کی نظر ان اونٹوں اور ان کے درمیان کے خیموں پر پڑ جاتی ہے اور فوراً اس کے گھوڑے کی رفتار کم ہو جاتی ہے' وہ اپنے قریب کے ایک سوار سے پلٹ کر پوچھتا ہے۔

یہ قافلہ ایک عرصے سے یہاں کیا کر رہا ہے؟

''جہاں پناہ! شاید ان کا مشک ابھی فروخت نہیں ہوا'' سوار نے ہاتھ جوڑ کر عرض کیا۔

''کیا یہ مشک لے کر آئے ہیں؟ تعجب ہے گولکنڈہ میں مشک کا سودا گر اتنے عرصے تک پڑا رہے''۔

یہ کہہ کر سردار نے اپنا گھوڑا ندی میں ڈال دیا اور تھوڑی دیر میں وہ اور اس کے ہمراہی اس زیر تعمیر محل کی بنیادوں تک پہنچ گئے

وہاں انہیں ایک اجنبی شخص پر نظر پڑی جو شاید ان بنیادوں کی طرف تفریحاً نکل آیا تھا۔ جب وہ ذرا قریب ہوا تو سب کی توجہ اس کی طرف منعطف ہوگئی۔ اس کو دیکھتے ہی قریب کے ہمراہی نے اپنے آقا سے آہستہ عرض کیا:

''یہی اس قافلے کا سالار اور ملک التجار ہے''

''تم اتنے دن سے یہاں کیا کر رہے ہو'' آقا نے استعجاب کے لہجہ میں سوداگر سے پوچھا۔

''حضور ہم کچھ بدنصیب سے معلوم ہوتے ہیں' گولکنڈہ میں کبھی ایسا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ جس سلطنت میں آپ جیسے امراء ہوں اور جہاں کا بادشاہ دنیا کے بادشاہوں سے زیادہ ایسی چیزوں کی قدر کرتا ہوں تعجب ہے کہ ہم اتنے دن محروم رہیں۔''

تاجر نے نہایت مودبانہ لہجہ میں کہنا شروع کیا۔ اس کو معلوم نہ تھا کہ وہ اس وقت خود جہاں پناہ سے مخاطب ہے اس کو یقین نہ آسکتا تھا کہ جس سلطنت کے معمولی معمولی امراء بھی بغیر شایان شان جلوس اور تزک واحتشام کے باہر نہیں نکلتے اور کبھی کسی اجنبی سے بے تکلفی سے مخاطب نہیں ہوتے' وہاں کا فرمانروا ایسا خلیق اور غریب نواز ہوگا' وہ کئی دفعہ گولکنڈہ آچکا تھا لاکھوں روپیوں کا مال فروخت کر چکا تھا' لیکن بادشاہ سے گفتگو نہ کرنا تو کجا اس کے دربار تک رسائی بھی نہیں ہونے پائی تھی۔

''تعجب ہے کہ ہم اتنے دن محروم رہے'' ناواقف تاجر نے اپنا سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔

''کوئی امیر اتنا مشک وقت واحد میں خریدنے کے لئے تیار نہیں ہوتا ہے۔ ہم نے بہت کوشش کی کہ کسی طرح بادشاہ سلامت کو خبر ہوجائے۔ ہم بڑی امیدوں سے گولکنڈہ آئے تھے۔ لیکن معلوم ہوا کہ چند ماہ قبل ہی یہاں اتنا مشک خریدا جاچکا ہے کہ اب شاید کئی سال تک مشک کی ضرورت نہ ہو' مگر اس کے باوجود بھی ہمیں یقین ہے کہ خدام سلطانی آمادہ ہوجائیں اور جہاں پناہ تک ہماری خبر پہنچ جائے تو یقیناً ہمارے نصیب جاگ اٹھیں گے۔ ہمارے ساتھ اتنے اونٹ مشک ہے کہ شاید ہی بیجاپور یا شاہجہاں آباد میں فروخت ہوسکے۔ اگر سرکار ہی ہماری خبر ظل اللہ تک پہنچادیں تو غرباء پروری ہوگی۔ اور ایک اونٹ مشک سرکار کی نذر کیا جائے گا۔''

آخری جملہ سنتے ہی بادشاہ سلامت نے گھوڑا پلٹا کر اپنے ہمراہی سے کہا کہ ''تاجر سے کہہ دو کہ آج سہ پہر میں دولت سرا پر چوک کے جھروکے کے نیچے حاضر رہے''۔

تاجر ابھی کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ گھوڑے موسیٰ ندی تک پہنچ گئے۔ سہ پہر میں شہر کی اس راہ کے دروازے پر تاجر بے چین کھڑا ہے جو گولکنڈہ سے حیدرآباد کو جاتا ہے اور موسیٰ ندی کے خوبصورت پل کے ایک سرے پر واقع ہے۔ اس پل کی طرز تعمیر وآرائش نہ صرف ایشیا بلکہ یورپ میں بھی بے نظیر سمجھی جاتی ہے۔ ہیروں کی تجارت کے لئے جو فرنگی سیاح گولکنڈہ آتے ہیں اور اس پل کو شہر پیرس کے جدید ترین پل سے بھی کسی طرح کم نہیں سمجھتے لیکن مشکل یہ ہے کہ اس پل کے دروازہ میں سے بھی شہر میں داخل ہونے کے لئے ہر اجنبی شخص کو اجازت حاصل کرنی پڑتی ہے جس کے لئے بعض وقت کئی کئی دن تک انتظار کرنے کی نوبت آتی ہے۔

تاجر بھی اس شش وپنج میں ہے کہ کسی طرح اجازت نامہ مل جائے اور پہنچ کر اس امیر کی عنایت سے بادشاہ تک رسائی حاصل

کر کے جو صبح میں اعانت کا وعدہ کر گیا ہے۔ امید و یاس کی کشمکش میں وہ محسوس کر رہا ہے کہ میں ایسا خوش قسمت تھوڑا ہی ہوں کہ ڈھائی مہینوں کی کوشش میں ناکام ہو کر آج بغیر کسی کوشش کے گھر بیٹھے کامیاب ہو جاؤں جب یہ جانتا ہوں کہ اس سال مشک خریدا ہی نہیں جا سکتا۔ پھر وہ خیال کرتا ہے کہ خدا دینا چاہتا ہے تو چھپر پھاڑ کر دیتا ہے۔ ابھی اسی ادھیڑ بن میں ہے کہ ایک حبشی دروازے میں نمودار ہوتا ہے اور مشک کے تاجر کو اپنے ساتھ لے کر چوک میں داخل ہوتا ہے یہاں جب تاجر کی نظر شاہی جھروکے پر پڑتی ہے تو وہ حیران رہ جاتا ہے کہ وہ اب تک اپنے جس محسن خلیق کو ایک قطب شاہی امیر سمجھ رہا تھا وہ خود ظل اللہ ہیں۔

بادشاہ نے تاجر کو دیکھتے ہی خانساماں کو حکم دیا کہ اس کے مشک کی رقم فوراً ادا کر دی جائے۔

خانساماں نے ڈرتے ڈرتے دست بستہ عرض کیا کہ: ''جہاں پناہ مشک کے کوٹھے تو بھرے پڑے ہیں اتنے اونٹ مشک کہاں رکھا جائے گا۔''

بادشاہ نے تاجر کی طرف دیکھ کر کہا: ''تم اپنا سارا مشک ہمارے ایک امیر کے اس زیر تعمیر محل کی بنیادوں میں ڈال دو جہاں آج صبح ہم ہوا خوری کے لئے نکل آئے تھے۔''

دوسری دن خوش قسمت تاجر کے خیمے موسیٰ ندی کے دامن میں نظر نہ آئے لیکن اسی روز سے اس زیر تعمیر محل کا نام مشکل محل مشہور ہو گیا۔

سوچیے۔ بولیے

1. مشک محل کا خلاصہ اپنے الفاظ میں لکھئے۔
2. تاجر اور بادشاہ کے درمیان میں ہونے والی گفتگو کو بیان کیجئے۔
3. افسانہ ''مشک محل'' میں تاجر کے کردار پر ایک نوٹ لکھئے۔

2. مکہ مسجد

آج صبح سے حیدرآباد کے بازاروں میں عجیب چہل پہل ہے' انسانوں کا ایک سیلاب ہے کہ ہر گلی کوچے سے چار مینار کی طرف جانے والی سڑکوں میں داخل ہو رہا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ چاروں سڑکیں بڑے بڑے دریا ہیں جن میں چھوٹی چھوٹی ندیوں نالوں سے آنے والے سیلابوں کی وجہ سے طغیانی کے آثار نمایاں ہوئے جا رہے ہیں۔ یہ انسانی سیلاب ایک ہی مرکز کی طرف بہہ رہا ہے اور چار مینار تک پہنچ کر جنوب مغرب کے عظیم الشان میدان میں جذب ہوتا جاتا ہے۔

نوجوانوں کی ٹولیاں اپنی وضع قطع اور چست لباس میں زندگی اور زندہ دلی کا صحیح نمونہ پیش کر رہی ہیں۔ بڑے بوڑھے اور ثقہ لوگ اپنے اپنے ہتھیار سنبھالے اور وضیع وضع کی لپٹی پگڑیاں لپٹے چلے آ رہے ہیں۔ کوئی بادشاہ کے غیر معمولی زہد و اتقا اور مذہبی شغف کا ثنا خواں ہے' کوئی اس کی درویش صفت زندگی کے قصے سنا رہا ہے۔ کسی کی زبان پر سلطنت کی ہر دلعزیز ملکہ حیات بخشی بیگم کے رفاہ عام کے کاموں اور خیر خیرات کا تذکرہ ہے اور کوئی اس کے باپ سلطان قلی کی فیاض طبیعت اور اس کے زمانے کی رنگ رلیوں سے موجودہ عہد کا مقابلہ کر رہا ہے۔ لیکن اکثروں کی گفتگو کا موضوع آج ہی کی تقریب ہے جس میں شرکت کے لئے اس ذوق و شوق سے ہر شخص کے قدم چار مینار کی طرف بڑھتے نظر آ رہے ہیں۔

کئی روز قبل اس وسیع شہر اور اس کے اطراف و اکناف کے ہر گلی کوچے میں جہاں پناہ کے حکم سے یہ منادی کرا دی گئی کہ

''شہر کے وسط میں جس عظیم الشان مسجد کی تعمیر کی جانے والی ہے۔ اس کا سنگ بنیاد وہی شخص رکھے گا جس کی کوئی نماز بارہ سال کی عمر کے بعد سے قضا نہ ہوئی ہو۔''

اس اعلان کے بعد سے ہر شخص اس روز مقررہ کا بے چینی سے منتظر تھا۔ اکثر قدیم طرز کے بزرگوں کو ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ سلطنت قطب شاہیہ کہ اس پر شکوہ پایہ تخت میں اس کے شایان شان مسجد موجود نہیں تھی۔ حالانکہ باغ نگر کے بسانے والے پریمی بادشاہ محمد قلی نے اس امر کا التزام کیا تھا کہ اس کی محبوب بستی ہر لحاظ سے دنیا کے بڑے بڑے اور شائستہ سے شائستہ شہروں پر سبقت لے جائے لیکن تعجب ہے کہ جہاں اس نے چار مینار' دولت خانۂ عالی اور دارالشفاء جیسی رفیع الشان اور بلند عمارتیں بنائیں' نیز سینکڑوں نفیس و پاکیزہ حمام' مدرسے اور خانقاہیں تعمیر کیں صرف ''جامع مسجد'' پر اکتفا کیا جو وسعت و بلندی کے لحاظ سے متذکرہ عمارتوں کی صف میں شریک نہیں کی جا سکتی سچ تو یہ ہے کہ سلطان محمد قلی زیادہ تر فنون لطیفہ اور شعر و سخن کا دلدادہ تھا۔ اس کو موجودہ جہاں پناہ سلطان محمد قطب شاہ کی طرح مذہب و فلسفہ سے دلچسپی نہ تھی۔ اس کی زندگی عشق و محبت کی سرگوشیوں میں گزر گئی اور واقعہ یہ ہے کہ خود شہر حیدرآباد کی ساری عظمت اسی عاشق مزاج جاں باز کی بے نظیر محبت اور وارفتگی کی لازوال یادگار ہے۔

چار مینار کے پہلو کا وہ میدان جہاں یہ مسجد بنائی جارہی ہے انسانوں کا ایک ذخار سمندر معلوم ہورہا ہے۔اس کے وسط میں ایک وسیع عمارت کی عمیق بنیادیں تیار ہیں اوران بنیادوں کے بیچوں بیچ ایک وسیع شامیانہ کے نیچے زرق برق لباس پہنے ہوئے امیروں اور شاہی خدمتگاروں کی دورویہ قطاریں کھڑی ہیں۔ یہ سب جواں بخت اور جواں سال بادشاہ کی آمد آمد کے منتظر ہیں تھوڑے تھوڑے وقفہ سے سارے مجمع کی نظریں اس سڑک کی طرف اٹھ جاتی ہیں جو دولت خانہ عالی سے چار مینار کی طرف نکلتی ہیں۔گردن کی حرکت کے ساتھ ساتھ رنگ برنگ کے شملوں اور رومالوں کا فضائے بسیط میں لہرانا سمندر کی مضطرب لہروں کا منظر پیش کررہا ہے۔

صبح دس بجے کے قریب آخر کار نشان کا ہاتھی چار مینار کے پہلو میں پہنچ گیا اس پر نظر پڑتے ہی مجمع کا سارا شور وشغب کافور ہوگیا۔اب ہر ایک کی یہی کوشش ہے کہ ظل اللہ کو دیکھنے کی سعادت حاصل کرے کیونکہ اس کو یقین ہے کہ اگر بادشاہ سلامت کا چہرہ نظر آجائے تو سال بھر کی کلفت دو ہوجائے۔

نشان کے ہاتھی کے بعد متعدد ہاتھی نظر آئے اور سو ڈیڑھ سو سوار پر رعب لباس پہنے تاتاری گھوڑوں پر سوار تیر کمان لئے اور ڈاب میں تلواریں لٹکائے ڈھالیں پیٹھ پر جمائے قطار در قطار چار مینار کے نیچے پہنچ کر صف باندھے کھڑے ہوگئے۔ان کے بعد ایک اور دستہ سواروں کا قرنا پھونکتے اور نفیریاں بجاتے ہوئے میدان میں داخل ہوتا ہے۔ان کی آمد کے ساتھ مجمع میں ایک وسیع راستہ کھل جاتا ہے۔اس وقت دیکھنے والوں نے حضرت موسیٰ کے ہزاروں سال قبل کے معجزہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ طوفان بدوش دریائے نیل میں بنی اسرائیل کے گزر جانے کے لئے کس طرح راستہ بن گیا تھا۔بادشاہ سلامت گھوڑے پر سوار ہیں اور پچاس ساٹھ پیادے ہمرکاب چلے آرہے ہیں نقیب ''بچو بچو نگاہ روبرو'' کے نعرے لگارہے ہیں' چوبدار نقروی عصا لئے ہوئے راستے سے مجمع کو ہٹارہے ہیں کسی کے پاس برچھے ہیں' کسی کے ہاتھ میں مورچھل ہیں جو ظل اللہ کے دونوں طرف برابر جھل رہے ہیں۔آفتاب گیری اور چتر بادشاہ پر سایہ فگن ہے۔

جب جہاں پناہ امیروں اور خدمت گزاروں کے جھرمٹ میں شامیانے کے نیچے پہنچ جاتے ہیں تو شاہی نقیب بآواز بلند اعلان کرتا ہے

''اعلیٰ حضرت ظل سبحانی جلیس سریر سلطنت وکامرانی معدلت پناہ سلطان محمد قطب شاہ حکم فرماتے ہیں کہ شرفا ونجبائے شہر میں سے جو یہاں جمع ہیں بارہ سال کی عمر سے اب تک جس نے ایک وقت کی بھی نماز قضا نہ کی ہو براہ مہربانی وہ آگے بڑھے اور خانہ خدا کا سنگ بنیاد اپنے ہاتھ سے رکھے۔''

مجمع پر سکوت چھایا ہوا ہے۔معلوم ہوتا ہے کہ انسان مرمر کی مورتیں بن گئے ہیں۔سانس لینے کی آواز تک سنائی نہیں دیتی۔چند لمحوں کے بعد نقیب نے پھر اس حکم کو دہرایا۔مجمع میں ہر ایک شخص دوسرے کی طرف دیکھنے لگتا ہے اور مجمع کا مجمع اس خوش بخت کی زیارت کا منتظر ہے جو اس سعادت سے مشرف ہونے والا ہے۔کہیں ہلچل نہیں۔ایک محلے کے رہنے والے دوسرے محلے والوں کو اور ایک گروہ

دوسرے گروہ کو دیکھ رہا ہے گویا سب کے سب ایک زنجیر میں بندھے ہوئے ہیں کسی کو حرکت کرنے کی اجازت ہی نہیں۔

تھوڑی دیر کے بعد شاہی نقیب تیسری مرتبہ ذرا وضاحت کے ساتھ رک رک کر مجمع کو سمجھاتا ہے اور بہ دقت تمام مجمع کا یہ سکوت ٹوٹتا ہے دو شخص آگے بڑھتے نظر آتے ہیں جن میں سے ایک شرعی قسم کھانے کے بعد عرض کرتا ہے:

''بارہ سال کی عمر سے اب تک کوئی نماز قضا نہیں ہوئی البتہ ایک روز صبح کی نماز میں دوسری رکعت پڑھ رہا تھا کہ آفتاب طلوع ہو گیا۔''

دوسرے شخص نے بھی قسم کھا کر کہا کہ:

''اگرچہ ایک دفع صبح کی نماز وقت پر پڑھی تھی لیکن طلوع آفتاب کا وقت قریب ہو گیا تھا اس لئے رفع شبہ کے لئے اعادہ کیا تھا کبھی کوئی نماز قضا نہیں ہوئی۔''

ان دونوں کے بیان سے عوام میں ایک ہلچل سی مچ رہی تھی کہ سلطان محمد خود بڑھتا ہے اور شرعی قسموں کے بعد کہتا ہے کہ:

''اس خدائے یگانہ و بزرگ کی قوت و دبدبہ کی قسم ہے جس کے گھر کی بنیاد ڈال رہا ہوں میری بارہ سال کی عمر سے اس وقت تک پنجوقتہ نماز کسی وقت قضا نہیں ہے اور اسی طرح میری تہجد کی نماز بھی کبھی قضا نہیں ہوئی۔''

یہ کہہ کر سلطان محمد بنیاد کا پتھر خود اپنے سر پر اٹھا لیتا ہے اور اپنے ہاتھوں سے مسجد کی بنیاد میں رکھ کر اس کی تعمیر کا آغاز کرتا ہے اور وہ دونوں سعادت مند زر و جواہر سے بھری ہوئی کشتیاں انعام میں حاصل کر کے مجمع میں شریک ہوتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

سوچیے۔بولیے

1. افسانہ مکہ مسجد کو اپنے الفاظ میں بیان کیجئے۔
2. بادشاہ نے مکہ مسجد کے سنگ بنیاد کے لئے کیا شرائط رکھیں؟
3. مسجد کے افتتاح کے دن کا منظر بیان کیجئے۔

3. کھویا ہوا چاند

باغ نگر کے بسانے والوں نے موسیٰ ندی کی طغیانیوں کا سدباب کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا کر نہ رکھا۔لیکن شاید قدرت کی طرف سے طغیانیوں کی صورت میں آئے دن ایسا سامان مہیا کردئے جاتے تھے کہ اس پریم نگری کے باشندے اپنی ہمہ گیر فتح مندیوں' دولت وثروت اور عیش وعشرت کی گھڑیوں میں یادخدا سے غافل نہ ہونے پائیں۔

قطب شاہی دور میں کوئی زمانہ ایسا نہیں گزرا جب موسیٰ ندی کی طوفان خیز موجیں شہر کی سنگ بستہ دیواروں' سرسبز وشاداب باغوں کی آراستہ روشوں' لب ساحل کی پرفضا بارہ دریوں اور محلات کے معمور تہہ خانوں کو اپنے دستبرد سے متاثر نہ کرتی ہوں اور واقعہ یہ ہے کہ ہر طغیانی کنار ندی کے بسنے والوں میں زندگی اور عمل کی خوابیدہ قوتوں کے لئے تازیانہ کا کام کرجاتی تھی۔انہی طغیانیوں نے مغلوں کے دست تعدی سے ایک عرصے تک گولکنڈہ کے آخری سرفروشوں کو بچائے رکھا اور اسی طغیانی کی وجہ سے گولکنڈہ اور موضع چچلم کے درمیان ایک عالی شان پل بنایا گیا جو شہر حیدرآباد کی تعمیر کا سنگ بنیاد ثابت ہوا۔یہی طغیانی آج ایک ایسے رسم کے آغاز کا بھی باعث بن رہی ہے جو صدیاں گزر جانے کے بعد اب تک جاری ہے اور حیدرآباد کی مخصوص رونق کا سامان ہے۔

نوعمر عبداللہ مرزا کو تخت نشین ہوئے زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا۔رود موسیٰ کے دامن نشینوں نے ابھی ابھی بقرعید کی خوشیاں منائی تھیں اور اس سال اس کثرت سے بکروں کی قربانیاں ہوئی تھیں کہ بعض بعض مقامات خاص کر ساحل کے باغات میں ندی کا پانی بکروں کے خون سے ایک آدھ روز تک سرخی مائل نظر آتا رہا۔کئی دن تک امیروں کے باغ جو کنار موسیٰ واقع تھے گوشت کی دعوتوں اور بےفکروں کے جلسوں سے آباد رہے اور ابھی ان سرمستیوں کا نشہ اترنے بھی نہیں پایا تھا کہ دارالسلطنت میں ایک تشویشناک حادثہ رونما ہوگیا۔عید کے چند روز بعد ہی سے ندی کا پانی یکا یک غیر معمولی رفتار سے بڑھتا گیا اور یہ اس ندی کے لئے کوئی غیر معمولی بات نہ تھی۔لیکن اس موقع پر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ندی کا دیوتا ان جلسوں کی آلودگیوں اور خون کی کثرت کی وجہ سے خشمگیں ہوگیا ہے اور چاہتا ہے کہ اپنے دامن سے ان دھبوں کو دھوڈالے مگر ندی یا اس کے دیوتا کی یہ شگفتگی باغ نگر کے باشندوں کے لئے نئی نہ تھی' اور اس دفعہ بھی وہ اس کو محسوس تک نہ کرتے اگر اس کی وجہ سے ان کے نوعمر بادشاہ کی جان خطرہ میں نہ پڑجاتی۔

موسیٰ ندی کے مشہور آفاق پل کے قریب ''کوچۂ صورت مورت'' دور دور تک مشہور تھا۔شہر باغ نگر کا کوئی سیاح اور نووارد ایسا نہ ہوتا جو اپنی فرصت کے اوقات میں قلعہ گولکنڈہ کی شمال مشرق فصیل کے کنارے ''ہتیان کے درخت'' اور موسیٰ ندی کے پل اور حسینی علم' کے درمیان ''کوچۂ صورت مورت'' کی سیر کے لئے نہ آتا۔اول الذکر درخت اگرچہ بعد کو نئے قلعہ کی فصیلوں میں محصور ہوگیا مگر اس کی عظمت وندرت وہاں بھی اس کے دیکھنے والوں کو کشاں کشاں بلاتی رہی یہ عجیب وغریب درخت کئی امور کے لحاظ سے عجوبہ اور قابل دید

ہے اس کا پیڑ بالکل پہاڑ نما ہے۔ اس کے رنگ اور وضع قطع کو دیکھ کر کوئی نہیں کہہ سکتا کہ یہ جماد نہیں نبات ہے۔ یہ پیڑ (۱۱۶) ایک سو سولہ فیٹ چوڑا ہے اگر اس کے ایک طرف کھڑے ہو کر بآواز بلند گفتگو کی جائے تو دوسری طرف سنائی نہیں دے سکتی اس کے پوست پر ہاتھی کی کھال کی طرح جھریاں پڑی ہوئی ہیں اور جہاں جہاں سے شاخیں نکلی ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہاتھی سونڈ اٹھائے کھڑے ہیں۔ اس پیڑ کے اندر پچاس فٹ مربع رقبہ کا ایک کھوکھلا حصہ ہے جس کی وضع بالکل گنبد کی سی ہے۔ اس نادر الوجود ہاتھی نما درخت کی طرح شاہی ہاتھیوں کے رہنے کی جگہ ''کوچہ صورت مورت'' بھی کچھ کم قابل دید نہ تھی۔ صورت ایک ہاتھی کا' مورت دوسرے ہاتھی کا نام تھا۔ گولکنڈہ کے سینکڑوں ہاتھیوں میں ہے۔ یہی دو شاہی سواریوں کے لئے منتخب کئے گئے تھے' اور خوبصورتی و تربیت میں ہر طرح سے ممتاز تھے۔ ان کے سونے چاندی کے قیمتی اور مکلّف ساز و سامان کی تمام ہندوستان میں شہرت تھی۔

ان ہاتھیوں میں سے ایک ہاتھی مورت پر جس کا ہووج اور پکھرا اور جھول وغیرہ زردوز اور طلائی تھے عیدالضحیٰ کی تقریب منانے کے بعد سلطان عبداللہ ندی محل سے قلعہ گولکنڈہ کو جا رہا تھا۔ حسینی علم اور کوچہ صورت مورت سے گزر کر پل کے دروازے پر پہنچا تھا کہ موسیٰ ندی کی سرکش موجیں اس کے پاؤں میں اٹھکھیلیاں کرنے لگیں مورت کو غالباً یہ بے باکی پسند نہ آئی۔ وہ نہایت سنجیدگی سے ایک جگہ ٹھہر گیا اور شوخ و گستاخ دختران رود موسیٰ کی بدتمیزیوں پر حیران تھا۔ مہاوت مورت کے غیر معمولی وقار اور غرور سے ناواقف نہ تھا۔ لیکن بادشاہ سلامت کی سواری کا اس طرح رک جانا بھی تو آداب شاہی کے خلاف ہے! اس نے مورت کو آگے بڑھنے کا اشارہ کیا مگر وہ ہے کہ ٹس سے مس نہیں ہوتا۔ مہاوت پریشان تھا کہ مورت پتھر کی تو مورت نہیں بن گیا۔ اس لئے کہ ایسی عدول حکمی اب تک نہیں کی تھی۔ مجبور ہو کر مہاوت نے انکس سے کام لینا چاہا۔ مورت کے غصے میں اضافہ ہوتا گیا۔ اس کے اس کوہستانی سکوت پر جلوس کے گھوڑے اور خدمتگار سبھوں نے اس کو اکسانا شروع کیا ادھر سے طوفانی موجوں کی مسلسل سرکشی ادھر سے تیز انکس کی تیش زنی' اور گھوڑوں کی ٹاپوں کا شور' یہ تمام ہنگامے مورت جیسے مغرور ہاتھی کی پریشانی کے لئے کچھ کم نہ تھے اس کا جذبہ خودداری بری طرح مجروح ہو رہا تھا وہ آپے سے باہر ہو گیا۔ برداشت کی بھی ایک حد ہوتی ہے۔ اس کے فلک شکوہ جسم میں بجلی کی سی تڑپ پیدا ہو گئی۔ اس نے سونڈ کی حرکت میں غریب مہاوت جیسے بارگراں کو گرا کر پاؤں سے کچل ڈالا۔ اب کیا تھا سارے مجمع پر ہیبت چھا گئی۔ جانثاروں نے بادشاہ کی جان بچانے کی خاطر ہر طرح کوشش کی مگر ان کی ہر حرکت مورت کے سمند ناز پر تازیانے کا کام کر رہی تھی۔ اس کشمکش میں دو تین غریب رہرو بھی کچل گئے اور مورت بے تحاشا جنگل کی طرف بھاگ گیا۔

تمام شہر میں ایک ہلچل مچ گئی کہ ہاتھی جس پر سلطان عبداللہ سوار ہیں جنگل کی طرف بھاگ گیا ہے۔ قلعہ میں بادشاہ کی ماں حیات بخشی بیگم صاحبہ کو اطلاع ہوئی۔ تمام محلات میں کہرام مچ گیا۔ کسی کے حواس ٹھکانے نہ رہے۔ وہ دودمان قطب شاہی کا واحد چشم و چراغ اس طرح بے یار و مددگار ایک مست ہاتھی کہ بس میں معلوم نہیں زندہ بھی ہے یا وہی حشر ہوا جو مہاوت کا ہوا ہے۔

دارالسلطنت کی تمام فوجیں ہاتھی کے ڈھونڈنے کے لئے باغ نگر کی وادی کا چپہ چپہ' اطراف و اکناف کی پہاڑیوں کی ایک

ایک چٹان اور درختوں کا پتہ پتہ چھان ڈالتی ہیں۔ بظاہر اس کے سوا کوئی اور خیال نہ تھا کہ مورت غائب ہو گیا ڈھونڈتے ڈھونڈتے صبح سے شام ہو گئی مگر لاحاصل۔ محلات میں فاقہ پر فاقہ ہو رہا ہے اور ہر ایک کی زبان پر ہے کہ ''شاہزادہ صبح سے بھوکا ہے'' غمدیدہ ماں نے خیر و خیرات کے دروازے کھول دئے ہیں۔ شاہی باورچی خانہ میں جو کچھ پکتا غریبوں محتاجوں اور فقیروں میں تقسیم ہو جاتا ہے۔ ہر چھوٹا بڑا شہزادے کے لئے دست بدعا ہے۔

مسجدوں میں بھی یہی ذکر، خانقاہوں میں بھی یہی تذکرہ، بازاروں میں سناٹا سا چھایا ہوا ہے۔ شاہی نقیب، تھوڑے تھوڑے وقفہ سے ملکہ عالم کے انعام و اکرام کا اعلان کرنے کے لئے قلعہ سے چوک میں آتے ہیں اور عوام کو شاہی ہاتھی پکڑ لانے کی ترغیب دیتے ہیں۔ آدھا شہر جنگلوں میں مصروف تلاش ہے۔ ایک دن اور ایک رات اسی عالم میں گزر گئی۔ دوسرے دن ذی الحجہ کی اٹھائیسویں تاریخ کا آفتاب طلوع ہوا ہے اور ملکہ صدقہ میں ہزاروں جانور چھڑا رہی ہیں، مٹھیوں سے جواہرات صدقے میں تقسیم ہو رہے ہیں۔

''رات بھر شہزادہ پر کیا گزری ہوگی'' ایک خواص نے آہ سرد بھر کر کہا۔ ''عبداللہ مرزا اگر تیرے دشمنوں کا بال بھی بیکا ہوا تو میں زندہ درگور ہو جاؤں گی۔''

فرقت زدہ ماں کی زبان پر بار بار یہی الفاظ ہیں اور آنسو ہیں کہ تھمتے نہیں۔ رات تمام وہ محل کے جھروکے سے قلعہ کے جلوخانہ اور باغ نگر کی طرف نظریں جمائے رہیں کہ شاید اب کوئی خبر آئے۔ دنیا بھر کے ٹونے اور ٹوٹکے کئے گئے۔ عالموں اور رمالوں کی بن آئی۔ آخر جب تمام رات آنکھوں آنکھوں میں کٹ گئی اور چار مینار کے پیچھے سے جب آفتاب کی کرنیں طلوع ہوتی نظر آئیں تو ملکہ عالم نے حکم دیا کہ:

''قلعہ اور باغ نگر کے اطراف دور دور تک درختوں کی شاخوں سے جگہ جگہ آب خاصہ کی صراحیات اور کھانے کے توشہ دان لٹکائے جائیں شاید ہاتھی اس طرف سے گزرے اور یہ سامان شاہزادے کے کام آسکے''۔

۲۹ ذی الحجہ کو حیات نگر سے اطلاع آئی کہ رات میں ہاتھی اس طرف سے گزرا۔ گاؤں والوں نے تعاقب کیا۔ دو چار آدمی روندے گئے مگر ہاتھی قابو میں نہ آنا تھا نہ آیا بے تحاشہ بھاگ گیا۔

اسی عالم تشویش میں تین چار دن گزر گئے۔ ملکہ جھروکے سے باہر کی طرف ٹکٹکی لگائے بیٹھی ہیں کہ آسمان پر محرم کا چاند نظر آیا۔ اس کو دیکھتے ہی اپنا کھویا ہوا چاند یاد آ گیا وہ بے اختیار رونے لگیں لیکن یکا یک ان کے دل میں خیال پیدا ہوتا ہے کہ اپنا درد دل جگر بند فاطمہ سید الشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام کی بارگاہ میں کیوں نہ عرض کروں کیوں نہ منت مانوں۔ فوراً ان کی زبان سے بے اختیار نکلا:

''اے امام مظلوم، آپ کی اس لونڈی کے جگر کا ٹکڑا اگر صحت و سلامتی اور خیر و خوبی کے ساتھ آ ملے تو دولت خانہ شاہی میں داخل ہونے سے قبل چالیس من سونے کی زنجیر بناؤں گی اور مست ہاتھی کے پاؤں میں لنگر کر کے آپ کے غلام سلطان عبداللہ کی کمر میں

باندھ کر قلعہ گولکنڈہ سے مکان حسینی علم تک پا پیادہ لے جاؤں گی اور وہاں فقراء مساکین، سادات، علماء اور فضلاء اور ارباب احتیاج میں تقسیم کردوں گی۔''

دوسرے روز صبح سویرے ملکہ کو دور سے ایک آواز سنائی دی اور وہ دوڑی ہوئی جھروکے کی طرف آئیں۔ دیکھا خلق اللہ کا ایک ہجوم ہے کہ قلعہ کے دروازے کی طرف بڑھا چلا آرہا ہے اتنے میں فصیل کی طرف صبا رفتار گھوڑے دوڑتے آئے اور جھروکے کے نیچے پہنچ کر شاہی خدام کو آواز دی کہ:

''حضرت ماں صاحب قبلہ جہانیاں کی خدمت میں مبارکباد عرض کریں کہ صاحب عالم حضرت سلطان عبداللہ قطب شاہ بفضل الٰہی بہ صحت و عافیت تشریف لا رہے ہیں۔ ہاتھی کی مستی اتر چکی ہے اور وہ حسب سابق مطیع ہو گیا ہے۔''

ملکہ نے کہلا بھیجا کہ سلطان کو بالا حصار کے اندر نہ آنے دو۔ دروازہ پر ہی روک دو۔'' اس اثنا میں مورت بالا حصار کے دروازے تک پہنچ گیا۔ ملکہ نے اپنے جگر گوشہ کو اندر سے کہلا بھیجا کہ:

''زنہار قدم اندر نہ رکھنا۔''

اسی وقت سینکڑوں سنار جمع ہو گئے۔ چالیس من سونے کی ایک زنجیر بنائی گئی۔ چالیس من پختہ مصری کا شربت بھی تیار کیا گیا۔ قلعہ کے دروازے سے حسینی علم تک سرخ مخمل کا فرش بچھ گیا اور سلطان عبداللہ برہنہ پا کمر میں زنجیر بندھی ہوئی حسینی علم تک پیدل روانہ ہوا اور وہ طلائی زنجیر اور شربت قند و گلاب وہاں غربا میں تقسیم کر دیا گیا۔

اس وقت سے اب تک ہر سال محرم میں عقیدت مندوں کی طرف سے سینکڑوں لنگر حسینی علم میں داخل ہوتے ہیں اور حیات بخشی بیگم ماں صاحبہ کی یہ منت بطریق ارادت ہمیشہ جاری رہے گی۔

سوچیے۔ بولیے

1. کھویا ہوا چاند میں سلطان عبداللہ قطب شاہ کی گم شدگی کی داستاں اپنے الفاظ میں لکھئے۔
2. حیات بخشی بیگم کے کردار پر روشنی ڈالئے۔
3. ملکہ نے کیا منت مانگی اور اس کو کس طرح پورا کیا؟

4. انار کے چودہ دانے

''کیا رسیلی آواز آرہی ہے!'' گولکنڈے کے محبوب بادشاہ نے آخری کاغذ پر دستخط کرتے ہوئے کہا۔ دادمحل کا دیوان خانہ خوش وضع امیروں اور سلیقہ مند خدمت گزاروں سے معمور تھا۔ بادشاہ کی پوشاک، تخت گاہ کی آرائش، قالینوں کی رنگارنگی، پردوں کے نقش ونگار، امیروں کے حفظ مراتب، درباری آداب، خادموں کی مستعدی، غرض ہر چیز اور ہر بات میں ایک خاص شائستگی اور سنجیدگی نمایاں تھی۔

جب مادنا نے تمام کاغذات سمیٹ لئے اور بادشاہ صبر آزما تحریری کام سے فراغت حاصل کر چکا تو امرائے عظام کی طرف ایک متبسمانہ نگاہ ڈالی۔ اس اثنا میں نغموں کی بھی کچھ دھیمی دھیمی لیکن سریلی آوازیں آنے لگی تھیں۔

''کیا رسیلی آوازیں آرہی ہیں'' اس کی زبان سے استفسار کے طور پر پھر نکلا''۔

میر بخشی سر جھکائے نگاہیں نیچی کئے اور ہاتھ باندھے ہوئے آگے کی طرف بڑھا اور مودبانہ لہجہ میں عرض کیا ''بندہ پرور چارمحل سے حوض کے اطراف دھمس کی جارہی ہے۔ مزدورنیوں کے گانے کی آوازیں ہیں''۔

''محنت ومشقت کو عیش وعشرت بنالینے کا کیا بہترین طریقہ ہے؟''

بادشاہ نے اٹھتے ہوئے کہا اور امراء کا سلام لے کر بالاخانے کی طرف بڑھا۔ مقربان خاص ساتھ ہوگئے اور حضور کی ان کے دھمس کرنے میں بھی کچھ ایسی دلکشی ہوتی ہے کہ دیکھنے والا گھنٹوں محو ہو جائے۔''

ایک مقرب خاص نے آہستہ سے قریب جا کر کچھ عرض کیا۔

''تم کو تو ناچ کا لطف آتا ہوگا'' بادشاہ نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔ بالاخانے سے چارمحل کی تمام نئی نئی رنگین عمارتیں ہتھیلی میں نظر آرہی تھیں اور ان کے درمیان وسیع حوض کا صاف وشفاف پانی کی آئینہ کی طرح قطب شاہ کے اس آخری تعمیری کارنامہ کو منعکس کررہا تھا۔

''کس قدر جلد یہ محل تیار ہوگیا'' بادشاہ نے فاتحانہ انداز میں کہا۔ ''ہم بہت جلد انشاءاللہ اس میں منتقل ہو جائیں گے۔''

مقرب خاص نے عرض کیا۔ ''حضور ان کے ناچ سے ضرور محظوظ ہوں گے''

''تم کو انہی کا خیال لگا ہوا ہے۔'' بادشاہ نے پلٹ کر کہا ''اگر تمہاری ایسی ہی خواہش ہے تو کل اس کے لئے انتظام کرادو''۔

دوسرے روز موسیٰ ندی کے کنارے چارمحل کی سر بفلک عمارت سر شام ہی سے اہل شہر کی تماشا گاہ بن جاتی ہے۔ ہر محراب بقعہ نور بنی ہوئی ہے۔ چارمحل کے درمیان کا عظیم الشان حوض پانی سے لبریز ہے اس کے اطراف روشنی اور آتشبازی کے غیر معمولی انتظامات کئے گئے ہیں رنگ برنگ کے قمقموں کا عکس متحرک پانی میں عجیب دلفریب منظر پیش کررہا ہے۔ حوض کی کشادہ سیڑھیوں کے نزدیک ایک سفید براق کشتی بادشاہ کے انتظار میں کھڑی ہے۔ اس کے چاروں طرف چاندی کے تختے مڑھے ہوئے ہیں۔ ہاتھی دانت اور سیپیوں

کے نقش ونگار ہیں۔ چراغوں کی شعاعوں سے جواہرات کا دھوکا ہو رہا ہے۔حوض کے ہر پہلو میں چراغوں کی قطاروں کے درمیان دھمس کرنے والی چاق وچوبند مزدورنیاں ایک ہی وضع کا چست لباس پہنی پریوں کی طرح پرا جمائے کھڑی ہیں۔ان غریبوں کی خوش قسمتی پر محل کی اصیلیں اور کاماٹنیں رشک کے دریا میں ڈوب رہی ہیں آج ان کی بن آئی ہے۔کیونکہ بادشاہ تاش کے قیمتی جوڑے کے علاوہ سیم و زر کی ایک ایک تھیلی بھی عطا کرنے والا ہے اور یہ سب کچھ ان کی عمر بھر کی کمائی سے زیادہ قیمتی ہے۔گولکنڈہ کے مزدور بھی بڑے خوش قسمت تھے۔آغاز شباب ہی سے شاہی عمارتوں کی تعمیر کی بدولت غیر معمولی انعام واکرام میں اتنا کما لیتے کہ برسوں مزدوری کا نام نہ لیتے اور اس فارغ البالی کا یہ نتیجہ ہوتا کہ تلاش کرنے پر بھی مزدور کا ملنا دشوار ہو جاتا۔

جب عشاء کی نماز ختم ہوگئی اور چراغ اپنی بہار دکھانے لگے تو بادشاہ کی آمد آمد کی دھوم مچ گئی فراشوں نے دیکھنا شروع کیا کہ کہیں فرش پر تو کہیں شکن نہیں رہی ہے۔مشعلچیوں نے روشنی کا ایک اور دفعہ جائزہ لیا' آتش بازی والے اپنی اپنی جگہ بتوں کی طرح ایستادہ ہوگئے اور تاش پہنی ہوئی شوخ وچالاک مزدورنیاں اپنی اپنی پوشاک اور سج دھج کو درست اور اپنے ہرابھار کو نمایاں کرنے میں منہمک ہوگئیں۔وہ اس وقت خوشی وانبساط کی وجہ پھولے نہیں سما رہی تھیں۔کیونکہ بادشاہ سلامت بہ نفس نفیس ان کی کارگزاری ملاحظہ کرنے کے لئے تشریف لا رہے ہیں۔

ادھر دیوڑھی کے سپاہیوں نے باہر سلامی دی اور یہاں ساکت وصامت مجمع متحرک ہوگیا۔ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ جادو کے زور سے بے جان پتلوں میں جان آگئی ہے۔قسم قسم کے آتشبازیوں کا چھوٹنا مزدورنیوں کا سریلی آواز میں گانا اور حوض کے اطراف میں دھمس کرنا بیک وقت شروع ہوگیا اور ابھی بادشاہ کشتی میں سوار نہ ہونے پائے تھے کہ آتشبازی کے رنگارنگ مصنوعی درخت' جانور اور انسان حرکت کرنے لگے۔دھمس کرنے والیوں کی بل کھاتی ہوئی کمریں اور مستانہ انداز میں حرکت کرنے والے پاؤں۔زیروبم کی عجیب کیفیت پیدا کر رہے تھے۔چراغوں اور آتشبازی نے وہ سماں پیش کر دیا تھا کہ ناچنے والی سرمست شباب لڑکیوں کے زرزر لباس کہکشاں کی مانند جگمگا رہے تھے۔ان کی سریلی آواز اور تھرکتی چال قدم قدم پر بجلیاں گرا رہی تھی۔روشنی کے انعکاس نے ان کے جسم کا ایک ایک عضو شاخ نخل طور کی طرح نظر آ رہا تھا اور شبہ ہوتا ہے کہ آیا یہ انسان ہیں یا انسان نما نور کی پتلیاں۔

ہر دلعزیز تاناشاہ کشتی میں سوار دریائے محویت میں غرق ہے اس عالم سرخوشی میں اس کے پیرومرشد کی خانقاہ سے اس کے زمانہ فقر وفاقہ کا ایک لنگوٹی یا چار محل کے دروازہ پر پہنچتا ہے۔امراء اس وقت بادشاہ کے دربار عیش وانبساط میں ایک چیتھڑے لگائے ہوئے درویش کی باریابی کیسے پسند کر سکتے ہیں۔پہرے کے سپاہیوں نے اس کو وہیں روک لیا۔درویش ماننے والا انسان نہ تھا۔آزادوں کو اس طرح کی بندشیں کب گوارا ہوتی ہیں؟ اس نے وہیں سے اپنے پرانے یارغار کو آواز دی۔

دور سے ''تانے شاہ تانے شاہ'' کی آوازیں سن کر بادشاہ چوکنا ہوا۔اس نے خیال کیا کہ شاید ایک لمحے کے لئے میری آنکھ لگی تھی اور میں نے خواب میں اپنے قدیم ساتھی کو پکارتے سنا مگر پھر وہی آواز سنائی دی اب زرپوش رقص کرنے والیوں کے نغمے' آتشبازی کا شور' باجوں کی گونج غرض ہر جگہ اس کو ''تانے شاہ'' تانے شاہ کی آواز نکلتی ہوئی سنائی دینے لگی۔اس نے پلٹ کر دیکھا حوض کے

کنارے امرائے دربار کے درمیان واقعی اس کا پرانا دوست چنداشاہ اس کو پکار رہا ہے اور وہ سب اس کو منع کر رہے ہیں۔

بادشاہ کی کشتی فوراً کنارے سے آ لگی فقیر اس میں کود پڑا۔ سارا مجمع اس کا منہ تکتا رہ گیا۔ فقیر نے اپنی جھولی سے ایک انار نکالا اور اپنے قدیم دوست کے آگے پیش کرتے ہوئے کہا

''پیرومرشد نے بھیجا ہے اور حکم دیا ہے کہ جہاں کہیں پاؤں تمہیں یہ انار سالم کھلا کر واپس آؤں۔''

ابوالحسن قطب شاہ ایک میلے کچیلے چیتھڑے لگے ہوئے فقیر سے بغلگیر ہوتا ہے اور اپنے مرشد کے بھیجے ہوئے انار کو سر آنکھوں پر رکھ کر اس میں سے پانچ دانے نکالتا ہے۔ لیکن ان کو منہ میں ڈالنے کے بعد اس کو معلوم ہوا کہ انار کھٹا ہے۔ تھوک دینے کی مجال نہ تھی مشکل سے نگل گیا مگر فقیر اس پر چپ رہنے والا تھوڑا ہی تھا۔ اس نے مجبور کیا۔ بادشاہ نے اس کی مروت اور قدیم تعلقات کی بنا پر پانچ دانے اور کھائے فقیر نے اصرار کیا۔ بادشاہ نے کہا ''بھائی تم اس کو یہاں چھوڑ جاؤ میں پھر کھالوں گا''۔

کیا کہا! تانے شاہ! پیرومرشد قبلہ کی عدول حکمی کروں چنداشاہ کے ساتھ تم اتنے سال رہے! کبھی مجھ سے ایسا گناہ سرزد ہوا ہے؟''

تانا شاہ اور چنداشاہ کے آپس کا معاملہ تھا مقربان خاص کو بھی دخل دینے کا یارانہ تھا۔ آخر کار تانا شاہ نے کہا ''میں کب عدول حکمی کرنے کے لئے کہہ رہا ہوں۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ اس کو کھالوں گا مگر اس وقت طبیعت مائل نہیں ہے۔ کسی اور وقت''

''بھائی مجھے تو یہ حکم ہے کہ اسی وقت سب کھلا دو۔ ورنہ واپس لے آؤ۔ یہ لو تم اس تو یہ چار دانے اور کھالو میں حضرت قبلہ سے اجازت لے آتا ہوں کہ بقیہ انار بعد میں کھانے کے لئے چھوڑ آؤں۔''

فقیر شاہ راجوؒ صاحب کی بارگاہ میں ایک آن میں پہنچ گیا ''تانا شاہ نے پورا انار کھالیا'' پیرومرشد نے چنداشاہ کو دیکھتے ہی دریافت کیا۔

''جی جی حضور طبیعت اچھی نہ تھی۔ چند دانے کھائے ہیں اور کہا ہے کہ بعد میں کھالوں گا۔ اجازت ہو تو یہ انار اس کے یہاں رکھ آؤں۔'' چنداشاہ نے کانپتے ہوئے عرض کیا۔

''آخر کتنے دانے کھائے ہیں کمبخت نے؟'' مرشد نے ڈانٹ کر پوچھا۔

''جی جی..... پانچ پانچ۔ چار۔ چودہ دانے کھائے ہیں''

''افسوس'' مرشد کی زبان سے اندوہناک لہجہ میں نکلا ''اس کی قسمت میں چودہ سال ہی کی بادشاہت تھی''۔

سوچیے۔ بولیے

1. اس افسانے کا عنوان ''انار کے چودہ دانے'' کیوں رکھا گیا۔ تفصیلی طور پر وضاحت کیجئے۔
2. کشتی کی سیر کے دوران بادشاہ کے ساتھ کیا واقعہ پیش آیا؟
3. موسیٰ ندی کے کنارے چارمحل عمارت کی سجاوٹ کا منظر بیان کیجئے۔

5. غیبی امداد

''وہی موسیٰ ندی کی طغیانی! گولکنڈہ اور حیدرآباد کی تاریخ اور موسیٰ ندی کی طغیانی ان دونوں کا اتصال گویا چولی دامن کا ساتھ ہے! کیا اس ندی کا تذکرہ کئے بغیر حیدرآباد کا کوئی واقعہ آپ نہیں بیان کر سکتے؟''

''تو کیا آپ سمجھ رہے ہیں کہ میں گولکنڈہ اور حیدرآباد کے قصوں میں گنگا اور جمنا یا دجلہ وفرات کا ذکر کروں گا' معاف کیجئے۔ میں شاعروں کی طرح معشوقوں کا دلدادہ نہیں ہوں میں حقیقت بیان کرنا چاہتا ہوں مجھے اپنے کام کے لئے مانگے تانگے کے مسالہ کی ضرورت نہیں۔'' رسالدار نے نئے قلعہ کے دروازے میں قدم رکھتے ہوئے اپنے ہمراہیوں سے کہا۔

''اچھا رسالدار صاحب یہ تو بتایئے کہ یہ سب قصے آپ تک کیوں کر پہنچے؟''

جس طرح آپ تک پہنچ رہے ہیں! ان باتوں کو چھوڑیئے اب یہ کہئے کہ پہلے ہتیان کے درخت اور ملاخیالی کی دومنزلہ مسجد کی طرف آپ کو لے چلوں یا شاہی بارہ دری' اورنگ زیب کے اولین مورچہ کی طرف''؟

''آپ پہلے جو دکھانا چاہیں۔ ہم ان چیزوں سے واقف ہوتے تو آپ کو رہنمائی کی زحمت ہی کیوں دیتے؟'' اس جماعت میں سے ایک نے رسالدار کے بدلے ہوئے تیور دیکھ کر مفاہمانہ انداز میں کہا۔

''بات یہ ہے میرے والد قبلہ قلعہ کے ایک مشہور مرشد تھے۔ نواب افضل الدولہ بہادر کا عہد آپ جانتے ہیں بزرگوں اور اولیاء اللہ کا زمانہ تھا۔ تمام قلعے والے میرے والد کے گرویدہ تھے اور مردوں سے زیادہ عورتیں ان کی معتقد تھیں۔ میں ان کی وفات کے وقت بہت کم عمر تھا۔ مگر پھر بھی مجھے اس وقت کی چند باتیں یاد ہیں۔ میرے والد کے یہاں دور دراز مقامات کے رہنے والے درویش اور قلعے کے بوڑھے معزز باشندے ہر روز جمع ہوتے تھے اور اپنے مقررہ اوراد و وظائف سے فارغ ہو کر ان کو قلعہ کی قدیم داستانیں سنایا کرتے تھے۔

افسوس ہے کہ والد مرحوم کے انتقال کے بعد ان کے یہ احباب بھی یکے بعد دیگرے دنیا سے سب چل بسے۔ رہے نام اللہ کا! بوڑھے رسالدار نے ایک ٹھنڈی سانس بھر کر کہا۔

ابھی سلسلہ کلام جاری تھا کہ یہ جماعت بارہ دری کے حدود میں داخل ہو چکی تھی۔ اور ہم سب اس وسیع چبوترے پر پہنچ چکے تھے جس کے اطراف غلام گردش کی پشت کی دیوار بنی ہوئی ہے اور جس کے ایک جانب وسیع تالاب ہے اور دوسری جانب بڑے بڑے حوض پہلو بہ پہلو دور دور تک بنے ہوئے ہیں اس پر لطف منظر سے متاثر ہو کر ایک صاحب نے رسالہ دار کو جو اپنی خیالی دنیا میں گھوم رہے تھے یہ کہہ کر چونکا دیا ''غالباً ان شاندار حوضوں کی تاریخ بھی آپ کو معلوم ہوگی؟''

تاریخ؟ تاریخ کسی مدرسہ کے استاد سے پوچھئے مگر وہ یہ نہ بتا سکیں گے کہ اس چبوترے کے نیچے جہاں آپ کھڑے ہیں ایک بہت بڑا محل بھی ہے۔ ہم اس کی چھت پر چل رہے ہیں۔ یہ دراصل تالاب کا کٹہ تھا لیکن گولکنڈہ کے خوش سلیقہ بادشاہوں نے کٹے سے چسپاں ایک اچھا سا محل بنا دیا اور محل کے سامنے کئی فرلانگ تک مسلسل حوض ہی حوض ہیں۔ تالاب کا پانی محل کے نیچے سے سامنے کے اس بڑے حوض میں آتا ہے پھر اس حوض سے دوسرے لانبے حوض میں چادر کی شکل میں گرتا ہے۔ وہاں سے تیسرے چوڑے حوض میں جمع ہوتا ہے۔ پھر وہاں سے چوتھے لانبے حوض میں جو کسی قدر پست ہے۔ بطور آبشار اچھل اچھل کر گرتا ہے۔ اس طرح ان چار حوضوں کو لبالب کرتا ہوا اس تالاب کا پانی آخر کار اس عظیم الشان پانچویں حوض میں پہنچ جاتا ہے جس کے بیچوں بیچ وہ دیکھئے ایک مصنوعی جزیرہ نظر آتا ہے جب ان سب حوضوں کے فوارے اچھلتے ہوں گے اور آبشار سے پانی کی چادر گرتی ہوگی تو اس جزیرہ سے بہتر فرحت کا مقام اور کوئی نہیں ہوسکتا۔'' ہاں رسالدار صاحب چمار کا قصہ تو نا تمام ہی رہ گیا اس کو قلعہ کی حفاظت سے کیا تعلق تھا؟'' ایک صاحب نے بات کاٹ کر کہا۔

''آپ حضرات ان تعلقات کو کیا جانیں؟ تو اس تفریح گاہ سے زیادہ آپ کو چمار سے دلچسپی ہے خیر لیجئے وہی قصہ پہلے سن لیجئے۔''

خاں صاحب خود تو چبوترے پر ایک کونے میں بیٹھ گئے اور اپنے ہمراہیوں کو چبوترہ کے منڈیر پر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور جب سب بیٹھ چکے تو کہا:

''واقعہ یہ ہے کہ مغلوں کو محاصرہ کئے ہوئے عرصہ گزر چکا تھا وہ حیران تھے کہ اتنا سامان رسد قلعہ میں کہاں سے آ گیا؟ ان کو یقین تھا کہ چند روز میں اہل قلعہ بھوک پیاس کی شدت سے تنگ آ کر دروازے کھول دیں گے۔ وہ اس حقیقت کو نہ سمجھ سکے کہ قطب شاہیوں کی ہمت اور قوت برداشت دکن میں ضرب المثل ہے اور انہوں نے یہ ٹھان لی تھی کہ دشمن کے پے در پے حملوں کے باوجود بھی قطب ادجانی جنبد کی مصداق بنے رہیں' مغل فوجیں قلعہ فتح کرنے کے لئے ہر طرح کی کوششیں کر چکی تھیں۔ خود بادشاہ اورنگ زیب حیران تھے کیونکہ انہیں اپنی تمام عمر میں ایسے سخت جان حریف سے سابقہ نہیں پڑا تھا۔ ان کا یہ شبہ یقین کے درجے تک پہنچ گیا تھا کہ اس قلعہ کا استحکام اور قلعہ والوں کی ہمت ظاہری اسباب سے زیادہ کسی نا معلوم باطنی قوت اور غیبی امداد کی تابع ہے۔ سرنگوں کے ذریعہ سے فصیلوں کو منہدم کرنے کی تدبیروں کا الٹ جانا اور ان فصیلوں کے عوض مورچوں کا منہدم ہو جانا' راتوں میں سیڑھیوں اور کمندوں کے ذریعہ سے مغلوں کا فصیلوں پر چڑھنا لیکن قطب شاہی سپاہیوں کا آخری وقت پر ان کو گرا دینا' ایسے واقعات ہیں جن پر کسی بوڑھے سے بوڑھے مغل سپاہی کو اپنی عمر بھر میں کبھی سابقہ نہیں پڑا تھا'.....سابقہ پڑنا تو کجا کسی نے سنا تک بھی نہ تھا کہ مغل اعظم کے اردوئے معلّٰی کو کسی لڑائی میں ایسی ناکامیوں سے سابقہ پڑا ہو۔ شہنشاہ اورنگ زیب اور ان کے سپہ سالاروں نے اہل قلعہ کو طرح طرح سے لالچ بھی دلائے اور قطب شاہی سپہ سالاروں سے آخر وقت تک خوشامدانہ مراسلت بھی کرتے رہے تاکہ اورنگ زیبی لشکر کے لئے راستہ مل جائے

یا کوئی کامیاب صورت پیدا ہو جائے۔ میر جملہ کی مثال پیش کی گئی اور شاہانہ نوازشوں اور سرفرازیوں کی چاٹ بنائی گئی لیکن ہر سپہ سالار کی طرف سے یہی جواب ملتا رہا کہ:

''کیا میر جملہ کی غداری ہمارے لئے کم موجب ندامت ہے کہ ہم بھی اسی کے نقش قدم پر چل کر ہمیشہ کے لئے بے ایمانی اور نمک حرامی کے الزام سے اپنا منہ سیاہ کریں۔''

اسی طرح کی اور کوششیں جاری تھے کہ ایک رات موسیٰ ندی میں یکا یک طغیانی آ گئی۔ وہی موسیٰ ندی اور وہی طغیانی جس کے نام سے آپ صاحبین بیزار معلوم ہوتے ہیں۔ مگر کیا کیا جائے اس کے نام یا ذکر کے بغیر گولکنڈہ یا حیدرآباد کا کوئی واقعہ ختم ہی نہیں ہوسکتا۔ چند روز سے ایسی بارش ہو رہی تھی اور اس زور کی آندھی آ رہی تھی کہ محاصرہ کی فوج اور مورچے منہدم ہو گئے تمام شاہی خیمے اکھڑ گئے ندی کے آباد کنارے ویران ہو گئے اور اس طوفان بادوباراں میں ہزاروں مغل سپاہی سیلاب میں گھر کر نذر اجل ہو گئے۔ مغل فوج کی یہ تباہی اہل قلعہ کے لئے جشن مسرت کا پیغام تھی' ادھر مغلوں کے رسد خانوں مورچوں اور ہزاروں مغل سپاہیوں پر طغیانی کی بلا نازل تھی اور ادھر قلعہ والوں نے جشن چراغاں منایا آبادی کی نشیبی فصیلوں سے لے کر بالا حصار کی بلند ترین چوٹیوں تک رنگ برنگ کے چراغ جگمگا رہے تھے۔ لیکن یہ بات سلطان ابوالحسن تانا شاہ کو ناگوار گزری۔

انہوں نے کہا ''اگر ہماری فوج سے مقابلہ کر کے مغل سپاہی ہلاک ہوتے تو مسرت کا موقع تھا لیکن ان کی اس طرح کی تباہی پر مسرت کا اظہار بہادروں کے شایان شان نہیں۔''

تانا شاہ نے صبح ہوتے ہوتے ایک ہزار راس بیلوں پر غلہ کے بورے بار کرا کے اپنے ملازمین کے ہمراہ مغل فوجوں میں روانہ کئے۔ جب یہ بیلوں کا قافلہ قلعہ سے باہر نکلنے لگا تو قطب شاہی اور اورنگ زیبی دونوں فوجیں حیران تھیں۔ قطب شاہی فوج کو شکایت تھی کہ یہ ہمدردی کا کون سا موقع ملا ہے۔ ہمارے ظل اللہ کو میدان جنگ میں بھی دشمنوں کے ساتھ ہمدردی کی سوجھتی ہے حالانکہ مخالفین العرب سے برابر فائدہ اٹھا رہے ہیں اور ہم ہیں کہ اس وقت ہمیں اچانک حملہ کرنے کی بھی اجازت نہیں ملتی؟

غرض کئی دن تک آندھی کے گرد و غبار اور سیاہ بادلوں کے گھٹا ٹوپ ہجوم سے مغل فوجوں کے خیمے ظلمت کدہ بن گئے اورنگ زیب حسب معمول اس ظلمات میں بھی گشت اور فوجی معائنے کے لئے نکلتے تھے۔ ایک رات انہوں نے دیکھا کہ آندھی کی شدت کے باوجود ایک مقام پر چراغ کی ٹمٹماتی روشنی نظر آ رہی ہے کچھ فاصلے سے معلوم ہوا کہ مغل فوج کے دو سپاہی دنیا و مافیہا سے بے خبر قرآن شریف کی تلاوت میں مصروف ہیں اور ان کے چراغ کو ہوا کے سخت سے سخت تھپیڑے بھی گل نہیں کر سکتے۔ بادشاہ نے قریب پہنچ کر کہا کہ:

''آپ ایسے بزرگ فوج میں موجود ہوں اور فتح یابی میں اس قدر تاخیر! تعجب کا مقام ہے''

ان بزرگوں نے نظر اٹھا کر دیکھا کہ خود بادشاہ سلامت کھڑے ہیں۔ ان دونوں نے ایک زبان ہو کر کہا: ''ہم کو اس معاملے

سے کیا تعلق''؟

''تعلق کیوں نہیں؟ آپ ہماری فوج کے سپاہی ہیں اور جانتے ہیں کہ آپ کے ساتھی کئی مہینوں سے پریشان ہیں۔ آپ کو ضرور اس طرف توجہ کرنی چاہیئے۔ کیا آپ لشکر اسلام کی اس سے زیادہ تباہ حالی کے منتظر ہیں؟''

''اس لڑائی کو مذہب سے کیا واسطہ جہاں فریقین اہل اسلام ہوں''

اورنگ زیب کو ان بزرگوں سے دیر تک درشت لہجہ میں گفتگو کرنی پڑی۔ آخر کار جب انہوں نے دیکھا کہ تلاوت قرآن پاک میں خلل ہو رہا ہے تو یوں زبان کھولی: ''ایک ٹھیکری اٹھالایئے''

بادشاہ بڑی تلاش کے بعد ایک ٹھیکری اٹھالائے۔ اس پر انہوں نے کوئلہ سے کچھ کہا اور بادشاہ کو دے کر کہا: ''لنگر حوض کے کنارے ایک چمار رہتا ہے۔ یہ اس کو دیجئے اور جواب لایئے''۔

بادشاہ وہ ٹھیکری لے کر قلعہ والوں کی گولیوں سے بچتے ہوئے چمار تک پہنچ گئے۔ اس نے وہ ٹھیکری لے لی اور غصے کی نگاہوں سے بادشاہ کو گھورنا شروع کیا اور اسی ٹھیکری کی دوسری جانب کچھ لکیریں کھینچ کر بادشاہ سے کہا: ''واپس لے جاؤ''

بادشاہ حیران ہیں کہ یہ معاملہ کیا ہے؟ کرتے کیا اس ٹھیکری کو لے واپس آئے جہاں وہ دونوں بزرگ مصروف تھے بادشاہ نے ٹھیکری ان کے حوالے کر دی پڑھ کر انہوں نے تھوڑی دیر تامل کیا اور پھر بادشاہ سے یوں مخاطب ہوئے: ''قلعہ کا فتح ہونا مشکل ہے .....'' بادشاہ نے دبی مگر بھری ہوئی آواز سے کہا: ''کیا میری مدد پر کوئی بزرگ ہستی نہیں ہے۔ کیا مجھ کو آپ دونوں کی ذات سے بھی یہ توقع نہ رکھنی چاہیئے''۔

شہنشاہ اورنگ زیب جیسی بلند ہستی سے بحث و مباحثہ میں جیت جانا آسان کام نہ تھا۔ انہوں نے بزرگوں کو مجبور کر دیا کہ ایک دفعہ اور کوشش کریں۔ انہوں نے مجبور ہو کر پھر وہی ٹھیکری منگائی بہت دیر تک سوچتے رہے اور رک رک کر اس پر کچھ لکھ دیا۔

رات ختم ہو رہی تھی' گولکنڈہ کے برجوں اور فصیلوں پر آخری شب کے چراغ ٹمٹما رہے تھے۔ مغل فوجوں کی چھاؤنیوں کی سمت سے صبح کے آثار نمودار ہوئے تھے۔ اورنگ زیب ٹھیکری لئے ہوئے دوبارہ لنگر حوض پر پہنچے۔ چمار دیر تک ٹھیکری کو گھورتا رہا اس کی دماغی کشمکش ختم ہوتی نظر نہیں آ رہی تھی۔ بادشاہ کے صبر کا پیمانہ چھلکنے لگا' انہوں نے طویل انتظار کے بعد کہا

''صبح کی نماز کا وقت قریب آ رہا ہے مجھے قبل طلوع آفتاب اپنے مورچوں میں واپس ہونا ہے' آپ جلد کچھ کہئے''۔

چمار جذبہ سے لرزہ براندام تھا۔ اس کی آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے اس کے ہاتھ قابو میں نہ تھے ٹھیکری اس کے ہاتھ سے گر گر پڑتی تھی۔ اس نے اپنے جسم پر سے بکھرے ہوئے چمڑے اور پھٹے پرانے جوتے ہٹا دیے اور دامن جھٹک کر کھڑا ہوا۔ اس کی زبان سے نکلا۔ ''مشیت ایزدی تھی۔ میں پچاس سال سے اس قلعہ کے دامن میں گوشہ نشین تھا۔ آخر جیتے جی یہاں سے اٹھنا پڑا۔ جاؤ ان سے کہہ دو کہ وہ چلا گیا''

اورنگ زیب جب اپنی فوج میں داخل ہوئے تو جگہ جگہ صبح کی اذانیں ہورہی تھیں۔انہوں نے ان بزرگوں کو حقیقت حال سے آگاہ کیا۔ان دونوں نے فتح کی مبارکباد دی اور کہا:

''آج رات ہماری فوجیں قلعہ میں داخل ہوجائیں گی۔اس کی حفاظت اور اور غیبی امداد کرنے والا وہاں سے اٹھ گیا۔وہ چمار نہ تھا بلکہ اس ملک کے قطب تھے اور پچاس سال سے اس سلطنت کے معاون ومحافظ۔''

دوسرے دن رات میں مغل فوجیں قلعہ میں داخل ہوگئیں' یہ اور بات ہے کہ تاریخ لکھنے والوں نے فتح کا سبب یہ بیان کیا ہے کہ ایک غدار سپہ سالار نے قلعہ کی ایک کھڑکی کھول دی تھی اس لئے مغلوں کو فتح نصیب ہوئی۔''

ان واقعات کو بوڑھے رسالدار نے اس کو مکمل اور موثر پیرائے میں بیان کیا کہ سننے والوں کو محسوس تک نہ ہوسکا کہ غروب آفتاب کا وقت قریب آچکا ہے اور ان کو اندھیرا ہونے سے قبل ہی نئے قلعہ کے ویرانے سے باہر نکل جانا چاہئے۔

سوچیے۔بولیے

1. غیبی امداد افسانہ کا خلاصہ اپنے الفاظ میں لکھئے۔
2. بادشاہ اور دونوں سپاہیوں کے درمیان ہونے والی گفتگو کو اپنے الفاظ میں لکھئے۔
3. چمار کے کردار پر تفصیلی روشنی ڈالیے۔

6. مٹی کی کلھیا

تاناشاہ بالا حصار کے دروازے سے نکل رہے تھے۔ وہ اور مغل شہزادہ دونوں گھوڑوں پر سوار تھے۔ ان کے بشرے، چال ڈھال اور گفتگو سے کوئی شخص اندازہ نہیں کرسکتا تھا کہ وہ اس وقت مغلوں کے قیدی ہیں اور اپنے وطن اور اپنے پایہ تخت سے ہمیشہ کے لئے علیحدہ ہورہے ہیں۔ وہ اس بے پروا انداز میں اپنے محبوب گھوڑے پر سوار تھے گویا شکار کے لئے جارہے ہیں یا اپنے مہمان شہزادہ کو تھوڑی دور تک چھوڑ آنا چاہتے ہیں۔

سوار ہونے سے قبل بادشاہ نے اپنے امراء کا آخری سلام لیا۔ لیکن اسی معمولی انداز میں۔ بادشاہ کا رعب داب ایسا تھا کہ امراء بھی اپنے جذبات ضبط کئے ہوئے تھے۔ جب تک بادشاہ ان کی طرف متوجہ رہے ان کی زبان سے اف تک نہ نکلا لیکن ان کے متغیر چہرے بتا رہے تھے کہ ان کی آنکھوں میں آنسوؤں کا ایک متلاطم سمندر پوشیدہ ہے۔ اتفاق کی بات تھی یا نامعلوم جان بوجھ کر بادشاہ نے فصیلوں کے اوپر محل کے جھروکوں کی طرف نظر نہیں اٹھائی ورنہ وہ محل کی پردہ نشینوں کو پریشان حال اور بیتاب دیکھ کر ضرور متاثر ہوتے۔ وہ سب دروازے کی طرف ٹکٹکی باندھی ہوئی تھیں۔ وہ نہیں چاہتیں تھیں کہ یہ روز بد دیکھنا نصیب ہو مگر سچ ہے۔

جو کچھ خدا دکھائے سو ناچار دیکھنا

آج قطب شاہی محلات کی پردہ نشین مہ وشیں بالکل مجبور بھی نہیں تھیں۔ انہوں نے اپنی قسمت کا آپ ہی فیصلہ کرلیا۔ وہ نہیں چاہتی تھیں کہ کوئی قوت ان کی قسمت کا فیصلہ کریں۔ آج پہلی دفعہ وہ محسوس کررہی تھیں کہ وہ مختار ہیں اور ناحق اب تک اپنے پر مجبوری کی تہمت لگا رہی تھیں جب بادشاہ کا گھوڑا نظروں سے اوجھل ہوگیا اور دنیا ان کے لئے تیرہ وتار ہوگئی تو انہوں نے اپنے فلک شگاف نالوں اور آہ وشیون سے بالا حصار اور محلات شاہی کو سر پر اٹھالینا چاہا لیکن انہوں نے سوچا کہ دم کے دم میں مغل سپاہی محل کے اندر گھس آئیں گے اور پھر نامعلوم ہمارا کیا حشر ہو۔ انہوں نے موقع کو ہاتھ سے جانے نہ دیا اور ایک ساتھ اس عظیم الشان حوض نما باؤلی میں گرنے لگیں جو انہیں جھروکوں کے پیچھے محل کے صحن میں اب تک موجود ہے۔

دوسرے روز علی الصبح مغل سپاہی خزانوں کی تلاش میں اس باؤلی کی طرف بھی پہنچے تو انہوں نے سینکڑوں عورتوں کی لاشیں پانی میں غرق دیکھیں جن میں بیسیوں نہایت نوعمر اور مہ جبین ہیں۔

قلعہ کے دروازے سے نکلتے ہوئے تاناشاہ نے شہزادے سے مسکرا کر کہا: ''حیدرآباد کے اطراف واکناف کی پہاڑیوں کا منظر

کیا خوشنما معلوم ہوتا ہے۔آپ نے کبھی ان کی سیر کی ہے''؟

اس وقت تک ان دونوں میں کافی خلاملا پیدا ہو چکا تھا۔شہزادے نے جواب دیا''اس کا بالکل موقع نہیں ملا۔ہم برابر جنگ میں مشغول رہے۔آپ کی فوجوں اور موسیٰ ندی کی طغیانیوں نے ہمیں رات دن مشکلات میں گھیرے رکھا مجھے تو آپ کی طبیعت پر حیرت ہوتی ہے کیا اس واقعہ کا آپ پر کوئی اثر نہیں ہوا''؟

''اثر تو ہر انسان کو ہونا چاہئے۔'' تاناشاہ نے سنجیدہ انداز میں کہا''لیکن اثر اثر میں فرق ہے۔مجھے سلطنت اور حکومت کی کوئی ایسی عزیز نہیں تھی۔شاید آپ جانتے ہوں گے کہ میں نے بادشاہت سے قبل چودہ سال تک قلندری کی ہے اور اپنے مرشد کی خدمت میں فقر و فاقہ کی جملہ منزلیں طے کر لی ہیں۔اس کے بعد یکا یک مجھے شاہی محل میں پہنچا دیا گیا۔میں اس وقت بھی مجبور تھا۔مرشد کے حکم کی تعمیل لازمی تھی اب میں شاہی محل سے نکالا جا رہا ہوں اس وقت بھی مجبور ہوں۔اس عالم مجبوری میں شکوہ و شکایت اور رنج و الم کا کیا موقع ؟ ہم نے مقدور بھر کوشش کر لی کہ قطب شاہیوں کی یہ امانت قطب شاہی نسل میں واپس کر دیں مگر اس میں ناکامی ہوئی اور اگر اثر ہے تو اسی کا! دنیا والے خیال کریں گے کہ جب تک بادشاہوں میں قطب شاہی خون رہا سلطنت بچی رہی اور جہاں ایک غیر شخص کے سپرد کی گئی اس کو زوال آ گیا۔گویا ہم اس امانت کا بار نہیں اٹھا سکے۔اگر ہم یہ امانت اپنے لڑکے شہزادہ خدابندہ تک پہنچا دیتے جس کی رگ رگ میں قطب شاہی خون دوڑ رہا ہے تو ہم اپنے فرض سے سبکدوش ہو جاتے۔یہی وجہ تھی کہ ہم نے آپ کی فوجوں کا پوری مستعدی سے مقابلہ کیا اور آپ کو عرصے تک زحمتیں اٹھانی پڑیں۔اگر اس ذمہ داری کا خیال نہ ہوتا تو پہلے ہی روز قلعے کے دروازے کھول دیے جاتے اور خلق اللہ کا اتنا خون نہ بہنے پاتا۔انسان انہی امانتوں کی وجہ سے اتنا پریشان ہے اور یہی امانتیں تو ہیں جن کی بنا پر وہ اشرف المخلوقات کہلاتا ہے اور دنیا کا بادشاہ بنا کر بھیجا گیا ہے۔''

مغل شاہزادہ پر تاناشاہ کی قلندرانہ طبیعت اور بے باکانہ گفتگو کا بڑا اثر ہوا۔اس نے شہنشاہ اورنگ زیب کی بارگاہ میں تاناشاہ کی بڑی تعریف کی۔یہی وجہ تھی کہ اورنگ زیب نے تاناشاہ کو گوالیار کے قلعہ میں روانہ نہیں کیا جہاں تمام شہزادے اور بادشاہ قید کئے جاتے تھے اور جہاں چند ماہ قبل ہی بیجاپور کا بدنصیب بادشاہ سکندر عادل شاہ بھی نظر بند کر دیا گیا تھا۔

ادھر مغل فوجیں گولکنڈہ اور حیدرآباد کو تخت و تاراج کرنے اور شاہی خزانوں اور دفینوں کی تلاش میں مصروف ہوئیں اور ادھر خانماں برباد تاناشاہ اور ان کا فرزند یعنی دودمان قطب شاہیہ کا آخری چشم و چراغ خدابندہ (جس کو اورنگ زیب نے بندۂ سلطان خطاب عطا کیا تھا) اپنے آخری قید خانہ دولت آباد کی طرف روانہ ہوئے۔تاناشاہ تو گولکنڈہ کو بھی قید خانہ ہی سمجھتے تھے۔آزادوں کو حکمرانی اور سلطنت کی بندشوں سے کیا واسطہ؟

یہ بھی عجیب وقت تھا۔کم عمر شہزادہ اپنے پڑنانا سلطان محمد قلی قطب شاہ کی بسائی ہوئی بستی سے ایک قیدی بن کر نکل رہا ہے۔جس سرزمین میں اس کا خاندان سینکڑوں برس سے حکمران تھا آج اس میں اس کو سر چھپانے تک کی جگہ نہیں۔اپنے بزرگوں کی بنائی ہوئی عالی شان عمارتوں مثلاً چار مینار، پادشاہی عاشور خانہ، دادمحل، دولت خانہ عالی، چارمحل، خداداد محل پر وہ حسرت سے نظر ڈال رہا ہے۔اس کو نہیں معلوم کہ ان میں سے اکثر شاہی عمارتیں صرف چند روز کی مہمان ہیں اور بہت جلد فاتحین کا دست تعدی ان کو کھنڈروں کی شکل میں منتقل کردے گا۔یہ عمارتیں تھیں جن کی تعمیر میں اس سرزمین کے کروڑوں روپے صرف ہوئے تھے اور جن کو لاکھوں صناعوں نے سالہا سال میں بادشاہوں کے شایان شان بنایا تھا یہ دکن کے تمدن، شاہانہ عظمت اور فن تعمیر کے وہ بیش بہا خزانے تھے جن کی تباہی نے اس ملک کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا۔

شہزادہ اپنے ستم زدہ باپ کے روبرو ہاتھ باندھے ہوئے مودب بیٹھا تھا۔جیسے جیسے ان قیدیوں کا میانہ آگے کو بڑھتا جاتا تھا حیدرآباد کے گلے کوچے اور محلات اس کی نظروں کے سامنے آتے جارہے تھے۔جب شہر سے نکل کر حسین ساگر کے تالاب پر پہنچے اور کٹہ پر سے گزرنے لگے تو شہزادے کو تالاب کا پانی دیکھ کر پیاس معلوم ہونے لگی۔اس نے باپ سے اس کا ذکر کیا۔تاناشاہ کو اپنی عمر میں پہلی دفعہ ایسی پریشانی لاحق ہوئی۔اس کے ساتھ آب خاصہ کے ملازم اور خدمتگار رہتے تھے۔شہزادہ نے چاندی سونے کے برتنوں کے سوا کسی اور برتن میں پیا ہی نہ تھا۔

جیسے جیسے حسین ساگر کے کٹے پر بڑھتے جارہے تھے۔تالاب سامنے آرہا تھا یہاں تک کہ شہزادہ کو پانی ہی پانی نظر آنے لگا اور اس منظر نے اس کی پیاس میں اور بھی اضافہ کردیا۔اس نے پھر اپنے باپ سے اپنی تسلی کا اظہار کیا۔تاناشاہ نے میانہ سے باہر نظر ڈالی۔ذرا جھک کر دیکھا تو آگے پیچھے دائیں بائیں ہر طرف ننگی تلواریں لئے سپاہی ہی سپاہی نظر آئے۔بادشاہ اسی طرح باہر کی طرف دیکھ رہے تھے کہ ان کو دور ایک سقہ نظر آیا جو فوجوں کے گزرنے کے وقت گردوغبار کو روکنے کے لئے سڑک پر پانی کا چھڑکاؤ کرتا تھا۔بادشاہ نے قریب کے سوار کو اشارہ کیا کہ سقہ کو بلائے۔مغل سپاہی کئی ماہ کے محاصرہ کے دوران میں تاناشاہ کی قلندر منشی بلند حوصلگی اور غریب پروری سے واقف ہو چکے تھے اور اس کے اتنے گرویدہ ہوگئے تھے کہ ان میں سے اکثروں کی آرزو تھی کہ اس بے نیاز شخصیت کی کوئی خدمت بجالائیں۔

غریب سقہ پریشان تھا کہ اس کے یہاں پانی پلانے کے لئے میانہ نشینوں کے شایان شان کوئی برتن نہیں ہے۔بادشاہ نے اس مٹی کی کلہیا کی طرف اشارہ کیا جو اس کے بائیں ہاتھ میں تھی اور جس سے وہ غالباً سپاہیوں کو پانی پلاتا تھا۔سقہ نے اسی مٹی کی کلہیا کو پانی سے بھر کر میانے میں بڑھادیا۔

جب شہزادہ نے پانی پی کر سقہ کو کلھیا واپس کی تو تاناشاہ نے اپنی انگلی سے انگوٹھی نکال کر اس مٹی کی کلہیا میں ڈال دی۔یہ آخری

دولت تھی جو اتفاقاً آخری قطب شاہی تاجدار کے ساتھ گولکنڈے سے جارہی تھی۔اس کو دے دینے کے بعد تاناشاہ کے پاس گولکنڈہ اور حیدرآباد کے مشہور آفاق خزانوں کا ایک حبہ بھی نہ رہا۔

غریب سقہ مٹی کی کلھیا میں روشنی میں دیکھ کر حیران رہ گیا۔تمام فوج میں یہ خبر مشہور ہوگئی۔شہنشاہ اورنگ زیب کے جاسوس ہر طرف پھیلے ہوئے تھے۔انہوں نے شہنشاہ کو بھی اطلاع کی۔کہا جاتا ہے کہ انہوں نے سقہ کے لئے دوسو روپئے روانہ کئے اور کئی ہزار کے ہیرے کی وہ انگوٹھی منگوالی۔

سوچیے۔بولیے

1. مٹی کی کلھیا میں پیش کی گئی کہانی کا خلاصہ لکھئے۔
2. مغل شہزادہ اورتاناشاہ کی گفتگو کو اپنے الفاظ میں بیان کیجئے۔
3. غریب ثقہ کے پانی پلانے والے واقعہ پر روشنی ڈالئے۔

یادداشت

یادداشت

یادداشت